یا معین ھو الکل

غدر دہلی کے افسانوں کا دوسرا حصہ

بیچارے انگریزوں کی
بپتا

حضرت خواجہ حسن نظامی مصور فطرت دہلوی

مارچ ۱۹۲۷ء میں

پانچویں بار

ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ دہلی نے شائع کی

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

قیمت ۸؍

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مد ظلہ کی تصانیف

غدر دہلی کے افسانوں کا پہلا حصہ "بیگمات کے آنسو" یہ وہ مشہور کتاب ہے جس کو خواجہ صاحب کی تصنیفات میں ماسٹر پیس یا اعلیٰ درجہ کی تصنیف کہا جاتا ہے۔ ایک سو بہتر صفحہ کی کتاب ہے۔ لکھائی صاف ہے کاغذ اور چھپائی اعلیٰ درجہ کی، ٹائٹل یعنی سرورق نہایت خوبصورت اور رنگین ہے یعنی کئی رنگ میں چھاپا گیا ہے۔ سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس میں ۲۴ افسانے ہیں۔ قیمت عہ

غدر دہلی کے افسانوں کا تیسرا حصہ "محاصرۂ دہلی کے خطوط" اس میں ان خطوط کا ترجمہ شائع ہوا ہے جو انگریزی فوج کے افسروں نے دہلی کے محاصرہ کے وقت پنجاب کے انگریز افسروں کو بھیجے تھے۔ ان خطوط میں بعض نہایت دلچسپ اور مخفی اور تاریخی مراسلات بھی ہیں۔ ضخامت ۳۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا۔ کل تیرہ مراسلے اسکے اندر ہیں۔ از حضرت خواجہ صاحب قیمت چار آنے (۴ر)

غدر دہلی کے افسانوں کا چوتھا حصہ "بہادر شاہ کا مقدمہ" یہ دو سو اسی ۲۸۰ صفحے کی کتاب ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی اور کاغذ بھی اچھا ہے۔ یہ غدر دہلی کے حالات میں نہایت دردناک کتاب ہے۔ اس میں اس مشہور مقدمہ کا حال ہے جو مغلوں کے آخری شہنشاہ ابوظفر بہادر شاہ پر بالزام بغاوت چلایا گیا تھا اور جس کی پیشیاں مدت تک ہوتی رہیں، ہندو مسلمانوں کی گواہیاں ہوئیں، حضور بہادر شاہ کا بیان ہوا، اور دوران مقدمہ میں ایسے عجیب و غریب خفیہ راز منکشف ہوئے جنکا حال کسی کو معلوم نہیں تھا۔ غرض یہ کتاب شروع سے آخر تک واقعات کا تاریخی حیرتناک مرقع ہے۔ اس واسطے ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے۔

ملنے کا پتہ: کارکن حلقہ مشائخ

حب نے دوسرے طریقہ سے بیان کیا ہے ان کا بیان ہے کہ لفٹنٹ فریزر صاحب گولی
جمی ہوئے تو اسی حالت میں انہوں نے دو مفسدین کو ہلاک کر ڈالا۔ اور بگھی پہ سوار ہو کر
۔ اگرچہ سخت زخم آیا تھا اور زخم سے خون جاری تھا مگر بگھی چلانے کی طاقت باقی تھی یا یہ
ں کے خوف سے ہمت اپنا کام کر رہی تھی۔ اسی عرصہ میں کہ غریب زخموں سے چور اور
مجبور بھاگے چلے جا رہے تھے ایک مفسد آیا اور اس نے صاحب موصوف کے سائیس
دیکھ کر کہا کہ تو اس کو مار ڈال۔ وحشی سائیس نے تلوار لیکر صاحب کے ایسا ہاتھ مارا کہ صاحب
ت کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ پھر کپتان ڈگلس کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بعد بلوائی
عام کی طرف گئے وہاں دو معصوم مسیں تھیں ان کو بھی ان سنگدلوں نے نہ چھوڑا
ق کا نشانہ بنا دیا۔ وہاں سے نکلکر سیدھے دریا گنج کا رخ کیا اور یہاں آکر تمام مکانوں کو
لا دی۔ یہ مکانات زیادہ تر انگریزوں کے تھے اس عرصہ میں ایک اور جمعیت مفسدوں
میں گھس آئی اور آتے ہی شہر کے بچوں اور شہدوں سے کہا کہ تم لوگ شہر کو خوب لوٹو ہمیں
مال غنیمت میں ہاتھ لگانا حرام ہے۔ جو بلوائی دریا گنج کو جلا رہے تھے انہوں نے
پانچ انگریزوں اور دو میموں کو اور مار ڈالا۔ باقی جس قدر عیسائی تھے وہ سب
ن گڈھ کی کوٹھی میں جا کر پناہ گیر ہوئے۔ جب دریا گنج جل کر بالکل خاک سیاہ
وہاں سے مفسد بینک کی کوٹھی پہ گئے۔ اس کو بھی آگ لگا کر جلا ڈالا، اور پانچ
ں کو جان سے ہلاک کر دیا۔ پھر وہاں سے کوتوالی گئے اور بدمعاشوں سے کہدیا
کو لوٹو۔ کوتوال خوف زدہ ہو کر کوتوالی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور کوئی تدبیر غریب غربا
نے کی نہ کی۔ کوتوالی سے سکنر صاحب مرحوم کی کوٹھی پر پہنچے مگر آگ نہیں لگائی۔
ہاں گرجا اور گرجا کے قریب و جوار میں جس قدر مکانات تھے سب میں آگ لگا دی اور
ل کا ڈھیر کر دیا۔ اور جس قدر میمیں اور فرنگی تھے سب کو ننھے ننھے بچوں کے قتل کر ڈالا
کے بعد انہی مفسدوں میں سے پانچ سوار چھاؤنی پہنچے ان کے پہنچتے ہی وہاں جس قدر

سپاہی تھے اُنہوں نے اپنے افسروں کے بنگلوں کو جلانا شروع کر دیا۔ اور جو فرنگی نظر آیا فوراً نہایت بے رحمی و بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ باقی سوار میگزین کی طرف گئے۔ مگر قریب پہنچے ہی تھے کہ جس قدر سپاہی تھے وہ سب اور تقریباً ایک ہزار شہری آدمی میگزین کے پھٹنے سے اُڑ گئے۔ خدا معلوم میگزین میں کیونکر آگ لگ گئی۔

اب یہاں چھاؤنی میں جس قدر سپاہ تھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دو رجمنٹیں تو مفسدوں کے ساتھ ملکر شہر کو لوٹنے میں مصروف ہو گئیں۔ اور دو رجمنٹیں لال ڈگی کے قریب قلعہ کے سامنے ٹھہریں ان میں سے ایک گارد راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی پر گیا۔ کیونکہ اس نے انگریزوں کو پناہ دی تھی چنانچہ اس کوٹھی میں تیس ۳۰ مرد اور کچھ بچے پناہ گزین تھے۔ اس گارد نے وہاں پہنچکر کوٹھی میں آگ لگا دی جو ایک رات دن برابر جلتی رہی۔ دوسرے روز یہ مفسدین میگزین میں سے دو توپیں اُٹھا لائے اور تمام دن اس پر گولہ باری کرتے رہے لیکن چونکہ تمام انگریز جو پناہ گزین تھے تہ خانہ میں چلے گئے تھے۔ اسلیئے سب کے سب محفوظ رہے اور بچ گئے۔ اور کسی قسم کا اُن کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے بعد مفسدوں نے تمام شہر کو لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سکنر صاحب کی کوٹھی کو بھی شہر کے بدمعاشوں نے خوب لوٹا، حالانکہ میرٹھ کے مفسدین نے اس کو اب تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

۱۳ تاریخ کو مفسدوں نے پھر دوبارہ ان انگریزوں پر حملہ کیا جو راجہ کشن گڈھ کی کوٹھی میں چھپے ہوئے تھے لیکن اس دن انگریزوں نے بھی کوٹھی کے اندر سے گولیاں چلائیں اور چند مفسدین کو ہلاک کر ڈالا۔ مگر جب غریبوں کے پاس گولی باروت نہ رہی تو سوائے چار انگریزوں کے سب باہر نکل آئے اور لڑتے رہے۔ اس عرصہ میں ولیعہد شاہی بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور مفسدوں سے کہا کہ ان انگریزوں کو ہمیں دیدو۔ ہم ان کو حراست اور نگہبانی میں محفوظ رکھیں گے۔ مگر ان مفسدوں نے ایک نہ سُنی اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔

مسٹر جارج سکنر صاحب اپنے بال بچوں سمیت قلعہ میں پناہ گیر تھے جا سوسوں نے

خبر دی کہ وہاں چھپے ہوئے ہیں، مفسد انہیں قلعہ سے کوتوالی میں پکڑ لائے اور یہاں انہیں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ اور شفا خانہ کے ہندوستانی اور انگریز ڈاکٹروں کو شفا خانہ اور جیل خانہ کے اندر ہلاک کیا۔ ان بچاروں کی تین روز تک لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ آخر چوتھے روز خود مفسدوں نے ان کو دریا میں پھنکوا دیا۔

مفسدوں کا بادشاہ سے تنخواہ کا مطالبہ

اب مفسدوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ یا تو دو مہینے کی تنخواہ دو ورنہ ہمارا روزینہ مقرر کر دو یعنی رسد غیرہ روزانہ دلوا دیا کرو، بادشاہ نے شہر کے سب مہاجنوں کو بلا کر حکم دیا کہ گروہ سپاہ کی درخواست پوری نہ کرو گے تو سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ غریب بادشاہ چونکہ مجبور تھا اسلئے عام شہر کی بربادی اور قتلِ عام کو بچانے کی خاطر مہاجنوں کو یہ حکم دیا ہوگا۔ مہاجنوں نے بادشاہ کی حضور میں عرض کیا کہ ہم ان کو بیس روز تک صرف دال روٹی کھلا سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم میں مقدور نہیں مگر مفسدین اس پر راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے ہم تو مارنے مرنے پہ کمر باندھے بیٹھے ہیں، چند روز جو زندگی کے باقی ہیں ان میں بھی دال روٹی کھائیں، ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ بادشاہ نے یہ سب باتیں سُنکر چار آنے یومیہ مقرر فرما دیئے۔

اسکے بعد مفسدین نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اور ہر دروازہ پر دو دو توپیں چڑھا دیں اور ایک ہزار من باروت چھاؤنی کی میگزین سے اُٹھا لائے اور جس قدر گولہ باروت میگزین میں موجود تھا اس پر قبضہ کر لیا۔ اس شور و شر اور فتنہ و فساد کی وجہ سے شہر میں رسد آنی بند ہو گئی اور تمام چیزیں گراں ہو گئیں۔

آٹا ۱۰ سیر گیہوں آٹھ سیر اور گھی ڈیڑھ سیر کا بکنے لگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس تمام چیزیں مہنگی ہو گئیں دہلی کے گرد و نواح کے جس قدر دیہاتی تھے سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ بادشاہ نے رفع فساد کی غرض سے گوجروں کے چار پانچ گاؤں کو جلوا دیا۔ مگر یہ آگ فرو نہ ہوئی کیونکہ صاحب

کی یہ کوٹھی بلاسپور میں تھی وہ بھی لوٹ کی نذر ہو گئی۔

فسادیوں نے جب دہلی کو اچھی طرح لوٹ لیا تو دو سو سوار گوڑ گانوہ کی طرف گئے اور وہاں بھی فتنہ و فساد لوٹ کھسوٹ اور آتش زنی کا بازار گرم کر دیا اور سرکاری خزانہ کو جس میں ۷ لاکھ ۴۸ ہزار روپیہ تھا لوٹ کر دہلی واپس آ گئے۔ اس وقت مفسدین کے پاس دہلی گوڑ گانوہ کے خزانوں کا ۱۲ لاکھ ۴۸ ہزار روپیہ نقد موجود تھا جو قلعۂ شاہی اور مفسد سپاہ کی حراست میں رکھا گیا۔

اس وقت دہلی میں تین رجمنٹیں موجود تھیں ایک تو میرٹھ کی اور دو خاص دہلی کے نیزہ سوار بھی موجود تھے باقی فسادی سپاہیوں کی فوج علی گڑھ اور آگرہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر میں سب سے بڑا متمول تاجر لچھمن چند تھا۔ مگر صرف اسی کی کوٹھی لوٹ وغارت سے بچی ہوئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ روزانہ مفسدین کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔

آپ بیتی کا پہلا افسانہ

ہندوستانی پیادوں کی اڑتیسویں رجمنٹ کا ایک افسر اپنی مصیبت کا حال اسطرح بیان کرتا ہے کہ ۱۱ تاریخ کو قریباً ساڑھے دس بجے صبح کے میرا نوکر بھاگتا ہوا میرے کمرہ میں آیا اور نہایت گھبراہٹ سے کہنے لگا کہ شہر میں بہت کھلبلی مچ رہی ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ میرٹھ کی تمام ہندوستانی سپاہ دہلی پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھی چلی آ رہی ہے سب سے پہلے خبر فساد کی جو میں نے سنی وہ یہی تھی۔ چونکہ میرا بنگلہ چھاؤنی ہی میں تھا۔ اس لئے میں یہ خبر سنتے ہی اسٹائن کمپر صاحب ایجوٹن ۳۸ رجمنٹ ہندوستانی کے بنگلہ کی طرف پیدل چل دیا وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ کمانڈنگ افسر اور کرنیل نیوٹ صاحب دونوں موجود ہیں انہوں نے بھی میری خبر کی تصدیق کی اور کہا کہ ہندوستانی پیادوں کی ایک رجمنٹ نمبر ۵۴ مع توپوں کے شہر میں بھیجی گئی ہے۔ اور دو کمپنیاں نمبری ۳۸ و ۷۴ رجمنٹ کی پہاڑی پر جو شہر اور چھاؤنی کے درمیان واقع ہے قیام کریں گی بقیہ سپاہی ان رجمنٹوں کے کسی دوسری جگہ نہ بھیجے جائیں گے

لیکن اپنی چھاؤنی میں ہر وقت مسلح اور مستعد رہنا چاہیئے جب میں کمانڈنگ افسر کے بنگلہ سے واپس ہوا تو راستہ میں مجکو نکول صاحب ملے ان سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ میرٹھ کے مفسد سواروں میں قریب ڈیڑھ سو سواروں نے کشتیوں کے پل پر قبضہ کر لیا ہے اور میرٹھ سے آتے ہوئے جو انگریز ان کو ملا اُسکو قتل کر ڈالا۔

جب میں اپنے بنگلہ پر پہنچ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں توپیں میرے بنگلہ کے برابر سے شہر کی طرف جاتی ہوئی نظر آئیں تو مجھے اطمینان ہوا کہ فسادیوں کے شر و فساد کو روکنے اور رفع کرنے کے لیئے رجمنٹ نمبر ۵۴ اور یہ دونوں توپیں کافی ہوں گی اور اس کے بعد جو واقعات ظاہر ہوئے ان کا تو مجھے شان گمان بھی نہ تھا لیکن میں نے یہ نظر احتیاط اپنا پانچ فیری طمنچہ بھر لیا اور حکم دیا کہ گاڑی کے گھوڑے تیار رکھو۔

دوپہر کے ۱۲ بجے کے قریب میرے نوکروں نے مجکو خبر دی کہ دریا گنج کی جانب لڑائی ہو رہی ہے اور میری رجمنٹ کے صاحب اجیٹن اور کمانڈنگ افسر چھاؤنی کی طرف گئے ہیں یہ خبر سنکر میں بھی سوار ہو کر گیا اور دیکھا کہ سپاہیوں کو سامانِ جنگ تقسیم ہو رہا ہے وہاں سے میں اپنی کمپنی میں گیا اور سپاہیوں سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ سب بظاہر نیک چلن معلوم ہوتے تھے۔ اور اس فساد سے سب نے لاعلمی ظاہر کی بلکہ بہت سے سپاہی کمربندی سے ناخوش معلوم ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ابھی شہر کی ہفت روزہ تعیناتی سے واپس آئے ہیں ابھی اچھی طرح روٹی پانی سے بھی فارغ نہیں ہوئے کہ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کے جواب میں میں نے ان سے کہا کہ غالباً تھوڑے عرصہ میں یہ فساد فرو ہو جائیگا پھر آرام کرنا۔ کیونکہ ایک رجمنٹ اور دو توپیں فسادیوں کے منتشر کردینے کے لیئے روانہ کی جا چکی ہیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر ضرورت پڑیگی تو تم سب لڑو گے اور نمک کا حق ادا کرو گے جسکے جواب میں سپاہیوں نے کہا کہ ہمنے سرکار کمپنی کا نمک کھایا ہے اور ہم ہر طرح پر لڑنے مرنے کے لیئے آمادہ ہیں۔ ان میں ایک حوالدار زیادہ شور و غل مچا رہا تھا مگر بنظر احتیاط صاف صاف یہ نہیں کہتا تھا کہ ہم مفسدوں سے

نہ لڑیں گے بلکہ یہ کہتا تھا کہ اگر کوئی غنیم راجہ یا نواب آویگا تو اس سے لڑیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کمپنیاں جنکا ذکر اوپر آچکا ہے پہاڑی کی طرف روانہ ہوئیں کہ وہاں جاکر قیام کریں روانگی کے وقت دونوں کمپنیوں کے سپاہیوں نے بہت شور وغل مچایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو بہت خوشی ہے۔ ان کی کسی حرکت سے یہ شبہ نہ ہوتا تھا کہ وہ مفسدانہ خیال رکھتے ہیں میں سپاہیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ خبر پہنچی کہ رجمنٹ نمبری ۵۴ نے شہر میں داخل ہونے کے بعد لڑنے سے انکار کر دیا اور اپنے افسروں کو رسالہ سوم کے سواروں سے کٹوا دیا۔ اور ذرا بھی سپاہ مفسد نے مقابلہ نہ کیا جب نوبت یہاں تک پہنچی اور معاملہ اس قدر نازک ہو گیا تو سپاہ کو آراستگی وغیرہ کا حکم دیا گیا۔ کارتوس تقسیم کیے گئے باجے والوں کو بھی بندوقیں اور لڑائی کا سامان دیا گیا۔ سب نے حکم کی تعمیل کی اور بندوقیں بھر کر لڑائی کیلئے تیار ہوئے۔ یہاں یہ ہو ہی رہا تھا کہ نمبر ۵۴ رجمنٹ کے کرنیل رپلی ڈولی میں آئے، زخموں سے ان کا بدن لہولہان ہو رہا تھا میں نے خود اپنے کانوں سے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھکو خود میری سپاہیوں نے سنگینیں ماری ہیں اسکے بعد فوجی ڈاکٹر صاحب کی زبانی جو کیفیت معلوم ہوئی وہ اور زیادہ غم افزا اور دردناک تھی انہوں نے سپاہیوں کی غداری اور اپنے افسروں کے قتل و خونریزی کا حال سنایا جس سے معلوم ہو گیا کہ رجمنٹ نمبر ۵۴ مفسدوں کیساتھ شامل ہو گئی جب حالت اس قدر اندیشہ ناک ہو گئی تو افسروں کے باہم مشورہ سے یہ طے پایا کہ جس قدر توپیں اور فوج باقی رہے وہ سب پہاڑی کے اوپر جاکر قیام کریں البتہ نمبر ۳۸ کی رجمنٹ کشمیری دروازہ پہنچی گئی تاکہ وہاں پر جو گارد ہے اسکی امداد کرے باقی کل فوج پہاڑی کے برج پر جاکر مقیم ہوئی اور دونوں توپیں اس طرح لگائیں کہ ان کی زد اس راستہ پر پڑتی تھی جو شہر کو جاتا تھا ۷۴ رجمنٹ کے جو باقیماندہ سپاہی تھے وہ برج مذکورہ کے سیدھے ہاتھ کی طرف جمع کر دیئے گئے جس قدر فرنگی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تھے سب آکر برج کے اندر جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد بہت سے شہر کے باشندے بھی آگئے۔ اب ہر طرف ان انگریزوں کی جو شہر میں رہتے تھے قتل عام کی خبریں آنے لگیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر فوج میگزین نیز دوسرے مقامات پر متعین تھی سب نے سرکار کے کام سے انکار کر دیا یعنی لڑنے سے منھ موڑ لیا۔

جب فوج کی غداری اور بغاوت کا یقین ہو گیا اور ہر طرف شر فساد اور قتل عام کا بازار گرم ہونے لگا تو صاحب بریگیڈیر نے شتر سوار کے ذریعہ میرٹھ کے حکام کو چٹھی لکھی، اور قریب ٹل بجے حکم دیا کہ بذریعہ تار انبالہ کو خبر بھیجی جائے اسکے بعد افسر مذکور نے تمام سپاہیوں کو جمع کر کے اُن سے دریافت کیا کہ آخر تمہیں کیا عذر ہے اور تم کیا چاہتے ہو، تو بعض سپاہیوں نے کارتوس کا عذر کیا، پس صاحب موصوف نے ان کو سمجھایا اور یقین دلایا کہ سرکار کا ارادہ یہ ہرگز نہیں کہ وہ کسی طرح تمہارے مذہب میں دخل دے اور فوج کو ہرگز ایسے کارتوس نہیں دیے جائینگے جن سے کسی قسم کا ان کے مذہب کو نقصان پہنچے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اور افسر موصوف برابر فوج کو سمجھا رہے تھے مگر فوج ترش رو ہو رہی تھی اور اپنی ناراضی کا اظہار کر رہی تھی اور ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا تھا

پہاڑی کے گرد اگرد سب فوج جمع تھی۔ میں بھی ان کے پاس گیا۔ اور بیٹھکر ان سے باتیں کرنے لگا۔ سپاہیوں نے جب یہ خبر سنی کہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو لشنے اپنے ہی ہاتھوں مار ڈالا تو انہوں نے بہت اظہار افسوس کیا اور کہا کہ ہم کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہے تب میں نے ان سے پوچھا کہ تم ہمارا ساتھ دو گے یا مجھے اور میرے بال بچوں بلکہ تمام انگریزوں کو مارے جاتے ہوئے دیکھو گے اس کے جواب پر اکثر سپاہیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ جہاں تمہارا پسینہ گریگا ہم اپنا خون بہانے کو تیار ہیں اور جب تک میں بیٹھا رہا مجھ سے نہایت ادب و لحاظ سے پیش آتے رہے۔

پہاڑی چونکہ بلند مقام پر تھی اس لیے ہم شہر کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔ اب شہر میں کئی جگہ آگ کے شعلے نظر آتے تھے، غالباً وہ مقامات انگریزوں کے معلوم ہوتے تھے اسی عرصہ میں میگزین اُڑا جسکو دیکھکر تمام سپاہی اپنے اپنے ہتھیار لیکر اور شور و غل مچا کر اور بیہودہ اشارات کر کے دوڑ پڑے اس وقت ان کو بمشکل تمام روکا۔ میں اس وقت افسروں کے ساتھ فوج کے بیچ میں تھا۔ اس وقت تک سپاہیوں نے کوئی کلمہ فحش ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ البتہ صرف ایک سپاہی نے اتنا کہا کہ اب تمہارا نمک پانی کھایا نہیں جاتا۔ میگزین کے اُڑنے سے قبل ایک گاڑی شہر سے آئی جس میں کپتان اسمتھ کپتان برو لفٹنٹ ایڈورڈ اور لفٹنٹ واٹرفیلڈ صاحب کی لاشیں تھیں۔ یہ سب افسر رجمنٹ نمبر ۵۴ کے تھے۔

ان لاشوں پر سپاہیوں کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ جو ان کی بیکسی اور مظلومیت کا پتہ دے رہے تھے۔

بریگیڈیر صاحب نے وہ دونوں توپیں جو شہر میں روانہ کی گئی تھیں پھر واپس منگائیں مگر واپسی کے وقت ان سپاہیوں نے شرارت شروع کی جو توپوں کے ساتھ تھے اور بجائے پہاڑی پر آنے کے جہاں دوسری فوجیں پڑی ہوئی تھیں سیدھے چھاؤنی کا راستہ لیا۔ چھاؤنی کے راستہ میں کپتان ٹیلر صاحب کی جماعت کے تھوڑے سے سپاہی ملے جنہوں نے کپتان موصوف کو چھوڑ دیا تھا انہوں نے فوراً توپوں پر قبضہ کر لیا اور کپتان ابٹ صاحب کمانیر اور سارجنٹ کو جو توپوں کے ہمراہ تھے لڑ بھڑ کر بھگا دیا۔ یہ دونوں صاحب گولیوں کی بارش سے بہزار دقت جان بچا کر پہاڑی کے برج میں آ گئے میری دانست میں ان انگریزوں میں سے جو شہر میں فوج کے ساتھ گئے تھے صرف یہی دو صاحب تھے جو صحیح سلامت یہاں پہنچے تھے۔

مفسد سپاہی توپیں چھین کر شہر کی طرف جا رہے تھے چونکہ پہاڑی پر سے سب نظر آتا تھا اس لیے کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے جو توپوں کو شہر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس غرض سے گئے کہ ان کو پہاڑی پر واپس لاویں مگر مفسد سپاہیوں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو گولیوں کی بھرمار کر دی۔ چنانچہ صاحب موصوف کا گھوڑا زخمی ہوا اور صاحب موصوف خدا خدا کر کے بچے۔

نسادی جماعت جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً ڈپٹی کلکٹر کرنیجر ا صاحب پر ان کی نظر پڑ گئی اور ان پر بھی گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر انہوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

رفتہ رفتہ دن بھر میں بہت سامان جنگ برج میں جمع ہو گیا تھا اور ہم کو قوی امید تھی کہ اگر توپخانہ بگڑ نہ گیا اور برابر کام دیتا رہا تو جب تک میرٹھ سے کمک پہنچے ہم تمام انگریز اور سارجنٹ اور عیسائی یہاں برج میں پوری حفاظت کیساتھ رہ سکتے ہیں مگر یہ نہ معلوم تھا کہ خود میرٹھ میں کیا گل کھل رہا ہے۔

دہلی سے رخصتی

لیکن جب ہر طرف سے امید باقی رہی اور کوئی آسرا باقی نہ رہا تو ناچار تمام جنگی ہتھیار دل کے

مشورہ سے یہ رائے قرار پائی کہ میرٹھ چلنا چاہیئے چنانچہ تمام میم صاحبان اور وہ لوگ جو لڑنے کے قابل نہ تھے سب کو بگھیوں میں سوار کرا کر وزیر آباد کے گھاٹ سے جو چھاؤنی سے قریب تھا جمنا پار اُتار کر روانہ کر دیا بگھیاں اور دونوں توپوں کو لیکر کپتان ڈی ٹسٹر صاحب آگے بڑھے اور پیدل فوج ان کے پیچھے چلی ہندوستانی سپاہی جس قدر ساتھ تھے سب کے سب نہایت بے دلی کیساتھ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

جب پہاڑی سے اُترے تو ہم نے دیکھا کہ بگھیاں اور توپیں کرنال کے راستہ پر جا رہی ہیں اور وزیر آباد کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے۔ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ پیدل چل رہا تھا اس لیئے کہ میرا گھوڑا میرے ساتھ نہ تھا میرے علاوہ بھی بہت سے افسر میرے ساتھ پیدل تھے جب ہم اپنی لین کے قریب پہنچے تو تمام سپاہی خود سر ہو کر لین میں چلے گئے۔ چونکہ میرا بنگلہ بھی قریب تھا اس لیئے میں بھی وہاں گیا اور گھوڑے کو تیار پا کر اس پر سوار ہو لین میں آیا اور سپاہیوں سے دریافت کیا کہ تم میرے ساتھ چلنے کے لیئے راضی ہو۔ مگر سپاہیوں نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا بولنا بھی ان کو زہر لگتا ہے۔ اس وقت تمام سپاہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں علیحدہ علیحدہ بیٹھے تھے۔ صرف ایک سپاہی بدچلن معلوم ہوتا تھا جس نے مجھکو نہایت سخت درشت اور فحش جواب دیا۔

اس کے بعد میں کرنال کی طرف چلا تاکہ گاڑیوں سے جا ملوں، چنانچہ تھوڑی دور جا کر وہ دونوں توپیں جو گاڑیوں کے ساتھ تھیں انکو دہلی کی طرف واپس ہوتے ہوئے ملیں واپس اس لیئے آ رہی تھیں کہ گولہ اندازوں نے کرنال جانے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے راستہ میں بہت سے زخمی افسر ملے جو بے تحاشا کرنال کی طرف بھاگے جاتے تھے۔ میں نے ان کو متفق اللفظ یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اب کچھ باقی نہیں اور کسی طرح کوئی امن کی جگہ ڈھونڈنی چاہیئے۔

دوسرا افسانہ (۲)

جب دہلی کے اندر مفسدوں کے گھس آنے اور انگریزوں کے قتل کرنے عمارتوں کے جلانے و مسمار کرنے نیز محصول خانہ میر مجبر کو ڈھا دینے کی خبریں چھاؤنی میں پہنچیں تو جنگی افسروں نے تمام فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ۵۴ نمبر کی رجمنٹ ہندوستانی پیدلوں کی تیار ہو گئی کیونکہ یہ شہر کے مقام سے قریب تر تھی۔ اس رجمنٹ میں سے کچھ کمپنیاں کرنیل ریلی صاحب کے زیر حکم کشمیری دروازہ مفسدین کے روکنے کے لیے گئیں اور دو کمپنیاں میجر پیٹرسن کے زیر حکم توپوں کے ساتھ جانے کے لیے کھڑی رہیں۔ کرنیل ریلی صاحب چونکہ فساد کی اصلی ماہیت سے واقف نہ تھے اور محض بازاریوں کا بلوہ سمجھے ہوئے تھے اس لیے اپنی سپاہ کو خالی بندوقوں کے ساتھ لے گئے تھے کہ سنگینوں کے زور سے بازاری فسادیوں کو منتشر کر دیں گے۔ مگر یہ فوج جب شہر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً چند مفسد سوار نظر آئے اور انہوں نے آتے ہی افسروں پر حملہ کر دیا اور سپاہیوں سے کہا کہ ہم تم سے کچھ نہیں کہتے اور نہ مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ بیچارے افسروں کو اس فساد کی اہمیت کی خبر نہ تھی اور وہ اسکو اس قدر سنگین نہ سمجھتے تھے اس لیے وہ سب فوج کے آگے تھے اس وجہ سے مفسدوں نے سب سے پہلے افسروں پر وار کیا اور کاربائن گولیاں برسانی شروع کیں۔ کرنیل ریلی کے سینے کو گولی لگی پھر مفسدوں نے تلواروں سے چور چور کر دیا۔ کرنیل موصوف کے علاوہ اور بھی دو تین عہدہ دار گولیوں سے زخمی ہوئے۔ افسروں نے بہت کچھ سپاہیوں سے منت سماجت کی کہ ہم کو بچاؤ مگر فوج نے ایک نہ سنی۔ نہ بندوقیں بھریں نہ مفسدین سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اس کے برعکس چند بد ذات اور دغا باز سپاہیوں نے الٹے کرنیل ریلی صاحب کو سنگین کے زخم پہنچائے۔

اس ہنگامہ میں کپتان ڈلبس جو ایک ہفتہ کے لیے شہر میں تعین کئے گئے تھے پہنچ گئے انہوں نے اپنے گارد کو فیر کرنے کا حکم دیا مگر بدقسمتی دیکھیے کہ ان بدذاتوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ صاحب موصوف نے تحکمانہ بھی کہا منت سماجت اور نصیحت بھی کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ بیہودہ اشارے

کرتے اور طعن آمیز فقرے کستے رہے جب صاحب موصوف نے بہت خوشامد سے وجہ دریافت کی تو وہ فسادیوں کے لہجہ میں کہنے لگے کہ صاحب ہم ان لوگوں کے لیئے کچھ نہیں کر سکتے جنہوں نے ہمارے مذہب کے خراب کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور چاہتے تھے کہ ہندو مسلمان دونوں کے مذہب اور ان کی ذاتیں خراب ہو جائیں۔ غرضکہ اسی طرح کے غلط سلط اور لغو و مہمل الزامات سرکار پر لگاتے رہے اور آخر میں کہنے لگے کہ اب ہم اس کا بدلہ لیں گے۔ اس عرصہ میں پانچ افسر جن کا ذکر اوپر آچکا ہے مارے گیئے۔ کئی زخمی ہوئے اور ایک سپاہی بھی زخمی ہوا۔

جب مفسدوں اور سرکش سپاہیوں نے دیکھا کہ سرکاری فوج نے ان کا مقابلہ نہیں کیا اور اپنے افسروں کے حکم کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ تو وہ کشمیری دروازہ کی طرف چلے جہاں ایک چھوٹا سا مورچہ بنا ہوا تھا جس میں گارد رہا کرتا تھا کہ وہاں جا کر قبضہ کر لیں۔ مگر خوش نصیبی سے وہاں لفٹنٹ ولسن صاحب کے زیر حکم دو کمپنیاں رجمنٹ نمبر ۵۴ کی اور ایک توپخانہ پہنچ گیا جس کی وجہ سے بدمعاش مفسد پھر شہر کی طرف واپس لوٹ آئے۔

اس دغابازی اور عین وقت پہ دھوکہ دینے کی خبر قریب گیارہ بجے کے چھاؤنی پہنچی۔ جیسے سنتے ہی ۷۴ رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو جمع کیا گیا تو اس میں صرف ڈیڑھ سو آدمی موجود تھے باقی مختلف مقامات پر پہلے ہی سے تقسیم و تعینات ہو چکی تھی۔ ان ایک سو پچاس سپاہیوں کو مع دو توپوں کی کمک اور مدد کی غرض سے میجر ایبٹ کے زیر حکم شہر کی طرف روانہ کیا گیا۔

ان سپاہیوں کی غداری اور نمک حرامی کی ایک اور حرکت دیکھئے کس قدر شرمناک اور حیا سوز ہے جب سپاہیوں کی غداری کی خبر معلوم ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا باقی حصہ اور ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی پریڈ پر طلب کیئے گئے۔ بریگیڈ صاحب نے ہر ایک کمان افسر سے کہا کہ وہ اپنے اپنے سپاہیوں کا ارادہ اور ان کے خیالات اس طرح سے دریافت کریں کہ ان کو بلا کر بطور خود والنٹیر بننے کے لیئے کہا جائے اگر وہ خود درخواست دیکر شامل فوج ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ سرکاری خدمت بجا لانے کے لیئے تیار و آمادہ ہیں اور اگر خود درخواست نہ کریں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ وفادار نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اور حسب الحکم تمام سپاہی پریڈ میں جمع ہوگئے، مگر ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کا ایک سپاہی بھی اپنی جگہ سے تل برابر نہ سرکا۔ البتہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے تعمیل حکم کی اور اپنی اپنی بندوقیں بھر لیں، اور شہر کی طرف رفع فساد اور انتظام کے لیئے روانہ ہوگئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں کشمیری دروازہ پر پہنچ گئے مگر چونکہ وقت گزر چکا تھا اس لیئے ان کا وہاں جانا بیکار رہا۔ کیونکہ مفسدین وہاں سے چلے گئے تھے۔ اس لیئے ان سے سوائے اسکے کوئی فائدہ نہ ہوا کہ وہ وہاں جا کر ٹھہر گئے۔

اب مفسدین کا کہیں پتہ نشان نہ تھا اور نہ کسی نے بتلایا کہ کہاں گئے بہت سے ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی بھی غائب تھے۔ صرف دو کمپنیاں زیر حکم میجر پیٹرسن وہاں موجود تھیں تھوڑی دیر کے بعد افسروں کی لاشیں گاڑی پر لائی گئیں جن کے اوپر ان کی عورتوں کے گون وغیرہ پڑے ہوئے تھے، زبان حال سے ان کی بیکسی کا ماتم کر رہے تھے، جب نمبر ۵۴ کی رجمنٹ شہر چلی گئی تو کپتان ڈی ٹسلر مع دو توپوں کے پیچھے رہ گئے اور انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ جلدی سے آگے بڑھکر اس وسیع مقام پر قبضہ کرلیں جسکے ایک طرف پختہ سڑک تھی جو چھاؤنی کو جاتی تھی دوسری جانب پہاڑی کو راستہ جاتا تھا چنانچہ بوقت شام صاحب موصوف نے ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کو راستہ پر قبضہ کرنے اور اس کو گھیرنے کیلیئے بھیجا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ کپتان ڈی ٹسلر صاحب کی توپوں پر قبضہ کرلیں۔

کپتان مذکور ہر چند حکمت عملی سے یہ چاہتے تھے کہ ان کی توپوں کے قریب سپاہی جمع نہ ہوں مگر پھر بھی دن بھر چار۔ پانچ سپاہی گولہ اندازوں کے ارد گرد پھرتے رہتے۔

قریبا بارہ بجے دن کے پہاڑی پر کا برج انگریزوں، میموں اور دوسرے عیسائیوں سے بھر گیا اور اس قدر شور و غل ہو رہا تھا کہ کسی قسم کا انتظام وغیرہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی شخص کسی طرح کی ہدایت یا حکم نہ مانتا تھا۔ اس موقع پر ایک ایجنٹ نے خبر دی کہ انہوں نے ایک نئی بات سنا ہے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی کہتے ہیں کہ اگر توپ کی ایک آواز بھی ہوئی تو ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے تمام سپاہی پھر جاویں گے انگریزوں کو قتل کر ڈالینگے۔

شام ہو رہی تھی، وقت گزرا جاتا تھا، اور شہر میں ہر طرف آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی۔ قریب شام کے

شہر میں ایک بڑے زور کی آواز ہوئی۔ یہ آواز میگزین کے اُڑنے کی تھی۔ سپاہیوں نے یہ دھماکا سُنا تو بگڑ کر بولے کہ جرنیل یہ کیا بات ہے جو ہمارے آدمیوں کو اس طرح مارا جاتا ہے۔

کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے پھر کشمیری دروازہ کی توپوں کے واپس لانے کا حکم دیا تھوڑی دیر کے بعد پھر حکم ہوا کہ میجر ایبٹ صاحب ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کو واپس لاویں چنانچہ تھوڑے عرصہ میں دونوں توپیں بڑے راستہ پر نظر آئیں۔ گویا چھاؤنی کی طرف جا رہی تھیں۔ کپتان ڈی ٹسٹر صاحب نے یہ دیکھکر بگل بجایا کہ وہ آکر پہاڑی پر ان کے ساتھ شامل ہوں مگر وہ نہ پھرے جب وہ نہ پھرے تو کپتان صاحب موصوف سمجھے کہ شاید اُنہوں نے بگل کی آواز نہیں سُنی اتنی دیر میں توپیں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کی ایک گروہ کے قریب جا پہنچیں اور اُنکے پہنچتے ہی بندوقوں کے سر ہونے کی آواز آنے لگی اور توپیں شہر کی طرف مُڑتی نظر آئیں۔ کپتان صاحب یہ دیکھتے ہی فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر توپوں کی طرف گئے کہ ان کو واپس لے آویں جب وہ قریب پہنچے تو حکم دیا کہ داہنی طرف ہو کر جلدی سے ہمارے پاس آجاؤ۔ مگر جب صاحب موصوف قریب ہو گئے تو اکثر سپاہیوں نے بندوقیں اُن کی طرف کیں اور متواتر چھ فیر کر دیئے جنمیں سے تین تو خالی گئے اور تین گولیاں گھوڑے کے لگیں مگر اس میں اتنی قوت باقی تھی کہ اسنے صاحب موصوف کو برج تک پہنچا دیا جہاں پہنچکر گھوڑا زمین پر گر کر مر گیا اور دونوں توپیں اور سپاہی شہر کی طرف چلے گئے۔

اس کے بعد جب لفٹنٹ ڈلوبی صاحب بھی آگئے تو میجر ایبٹ صاحب نے ۷۴ نمبر کی ایک رجمنٹ کو اس لیئے روانہ کیا کہ وہ جا کر یہ خبر لائے کہ آیا میگزین کے اُڑنے سے جو راستہ ہو گیا ہے اس میں سے وہ پیشقدمی کرتے ہیں یا نہیں مگر وہاں مفسدین کی اچھی طرح خدمت ہو گئی تھی وہ اس قدر خوف زدہ ہو گئے تھے کہ سب کے سب ایک دم شہر کو فرار ہو گئے۔

اس وقت تین بجے ہونگے اور کشمیری دروازہ میں مفسدین کا کوئی پتہ نشان نہ تھا۔ اس اثناء میں چھاؤنی سے حکم آیا کہ دونوں توپیں چھاؤنی کو واپس بھیجدی جائیں چنانچہ لفٹنٹ السپلسی صاحب کے ہمراہ فوراً توپیں روانہ کر دی گئیں میجر ایبٹ صاحب نے اب یہ ارادہ کیا کہ جو میمیں گارد کی قیامگاہ میں پناہ گیر ہیں ان کو چھاؤنی روانہ کر دینا چاہیئے چنانچہ حکم دیا کہ گاڑی تیار کی جائے۔ تھوڑے

عرصہ کے بعد وہی دونوں توپیں جو چھاؤنی بھیجی گئی تھیں کشمیری دروازہ پھر واپس آگئیں۔ مگر لفٹننٹ اور گولہ انداز ان کے ساتھ نہ تھے۔ ڈرائیوروں نے آکر بیان کیا کہ گولہ انداز چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہم بغیر ان کے چھاؤنی نہ جائینگے۔ آخر توپوں کے ساتھ تین تین چار چار سپاہی ملکر دروازہ کے اندر آگئے۔

قریباً ساڑھے تین بجے کے بریگیڈیر صاحب کا حکم میجر ایبٹ صاحب کے نام اس مضمون کا آیا کہ جس قدر نمبر ۷۴ کی رجمنٹ کے سپاہی ان کے ہمراہ ہوں ان کو لیکر بہت جلد چھاؤنی پہنچ جائیں جب یہ حکم آیا تو میجر پیٹرسن اور ڈپٹی کلکٹر صاحب نے کہا کہ اس وقت اس رجمنٹ کا یہاں سے جانا مناسب نہیں کیونکہ جب تک ان کے قائم مقام سپاہی نہ ہوں اس کو چھوڑنا ٹھیک نہیں مگر ڈپٹی کلکٹر صاحب کو دوسرا خوف تھا وہ ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کا حال دیکھ چکے تھے اور ان کے اوضاع و اطوار مشتبہ تھے مگر میجر ایبٹ صاحب نے کہا کہ چونکہ حکم خاص طور سے میرے نام آیا ہے اسلیئے میں اسکی تعمیل لازمی سمجھتا ہوں مگر ڈپٹی صاحب نے کہا کہ تھوڑا سا توقف کریں میں خود چھاؤنی جاکر بریگیڈیر صاحب سے یہاں کی قیام کی ضرورت بیان کرتا ہوں اگر وہاں گئے تو خیر ورنہ پھر حکم کی تعمیل کی جائیگی۔ چنانچہ یہ کہکر سوار ہو گئے توپیں پہلے ہی واپس آچکی تھیں ڈپٹی کلکٹر صاحب نے اپنے کہا کہ اب تم ہمارے ساتھ چلو اور چونکہ بہت سی میمیں بھی موجود تھیں اور وہ گاڑی ابتک نہیں آئی تھی جس کے لیے حکم دیا گیا تھا اس لیئے توپخانہ کی ایک پیٹی خالی کرا کر اس میں سب کو سوار کرا دیا گیا۔ اور چھاؤنی روانہ کر دی گئی۔

اب ڈپٹی صاحب کو گئے ہوئے دیر ہو گئی تھی اس لیئے میجر ایبٹ صاحب نے زیادہ توقف کرنا نامناسب جانا۔ اس خیال کی تائید ایک حوالدار نے بھی کی اور بیان کیا کہ اس نے چھاؤنی کی طرف بندوقوں کی آوازیں سنی ہیں۔ اب یہاں زیادہ دیر لگانا کسی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ میجر صاحب نے فوج کی تیاری کا حکم دیا اور چل دیئے۔ قریب سو قدم دروازہ سے باہر ہوئے ہونگے کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی دروازہ کے اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا اور وہیں بدمعاش سپاہیوں نے افسروں پر جو اب تک باہر نہ نکل سکے تھے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اس فریب اور دغا بازی کے حملہ میں ۷۴ نمبر کی رجمنٹ

کے کپتان کورون صاحب سب سے پہلے مارے گئے ایک سپاہی نے پیچھے سے گولی ماری اور وہ فوراً مرگئے۔ انکے بعد لفٹنٹ ردبلی صاحب اس رجمنٹ میں سخت زخمی ہوئے۔ مگر انہوں نے مرتے مرتے اپنی دونالی بندوق مفسدوں پر سر کردی جس سے دو ایک مفسد ہلاک ہوئے۔ لنسائٹ رولین متعلقہ ۷۴ نمبر رجمنٹ نے جب یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگے اور دیوار پھاند کر خندق میں کود پڑے اور دوسری پٹری پر چڑھکر جنگل کے راستہ سے چھاؤنی کو روانہ ہوگئے صاحب موصوف کو راستہ میں میجر ایبٹ صاحب ملے جو ۷۴ رجمنٹ کے ساتھ دروازہ سے باہر نکل گئے تھے یہ دونوں صاحب ۲ بجے کے قریب چھاؤنی میں پہنچے میجر ایبٹ صاحب نے بندوقوں کی آواز سنی تو اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہی اپنے افسروں کو مار رہے ہیں یہ سُنکر میجر صاحب نے حکم دیا کہ واپس چلکر عہدہ داروں کی مدد کرو کسی نے حکم نہ مانا اور تمام خوشامد و چاپلوسی میجر صاحب کی بیکار اور ضائع گئی سپاہیوں نے کہا کہ یہی بہت ہے کہ ہم نے تم کو بچالیا ہم سے وہاں جاکر کچھ نہ ہوگا بلکہ تمہیں بھی کھو بیٹھیں گے۔ یہ کہکر بہت سے سپاہی میجر صاحب کے گرد جمع ہوگئے اور زبردستی اُنکو چھاؤنی کے اندر دھکیل لے گئے معلوم ہوا کہ سپاہیوں نے نہایت بیدردی اور بیرحمی کے ساتھ افسروں پر گولیاں برسائیں لفٹنٹ اسمتھ صاحب پہلے تو چار سپاہیوں کے ہاتھوں سے بمشکل بچ گئے تھے مگر بعد میں گلزار سنگھ سپاہی کے ہاتھ سے مارے گئے واقعہ یہ ہے کہ تمام سپاہیوں نے اس شخص کو خاص طور سے اسمتھ صاحب کے قتل کرنے کی غرض سے مامور کیا تھا۔ اس لئے کہ صاحب موصوف نے اس سپاہی کو غفلت اور عدول حکمی کی بنا پر عہدے سے گھٹا دیا تھا ان کے علاوہ لفٹنٹ اسبوری صاحب بھی زخمی ہوئے تھے اور فورسٹ صاحب کی میم کے شانے پر گولی لگی تھی باقی جس قدر عہدہ دار اور عورتیں تھیں وہ دیوار پر چڑھ گئے تھے اسلئے مفسدوں نے فیر کرنے اور گولیاں چلانی موقوف کردی تھیں۔ اب وہ خزانے لوٹنے کی غرض سے روانہ ہوگئے تھے کر چلتے چلتے جس قدر توپیں تھیں سب کا منہ ان بیکسوں کی طرف کر کے سر کردیا مگر خدا کے فضل سے کسی کو نقصان اور گزند نہیں پہنچا۔ حالانکہ صرف چالیس گز کا فاصلہ تھا۔ جب ان غریبوں کو دم لینے کی فرصت

ملی تو یہ سب خندق میں اُتر کر اور پار جا کر منکلف صاحب کی کوٹھی میں پہنچے وہاں خوبی قسمت سے کھانا تیار رکھا تھا۔ بیچارے دن بھر کی فاقہ کشی سے نڈھال ہو گئے تھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگرچہ پیٹ بھر کر نصیب نہ ہوا تھا۔ مگر دوسرے عہدہ داروں سے پھر بھی بہتر رہے کہ ان کو صبح سے کچھ نہ ملا تھا اور نہ آئندہ ملنے کی کوئی امید تھی۔

میجر ایبٹ صاحب شام کے قریب اپنے رجمنٹ کے کوارٹر میں گئے وہاں ان کے سپاہیوں نے صلاح مشورہ سے یہ طے کیا کہ اگر آپ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں تو بہتر ہے اور نہایت عاجزی سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اس لیے کہ اگر ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے سپاہیوں نے سن لیا یا دیکھ لیا آپ یہاں چھپے ہوئے ہیں تو وہ آپکو قتل کر ڈالیں گے اور ہم سے کچھ نہ ہو سکیگا اور ہم آپکو نہ بچا سکیں گے۔ یہ کہکر کچھ سپاہی گھوڑا لینے کے واسطے چھاؤنی گئے۔ اس عرصہ میں بہت سی گاڑیاں اور بگھیاں کرنال کی طرف جاتی اور بھاگتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ دیکھکر سپاہیوں نے کہا کہ وہ دیکھو بہت سے افسر اور میم صاحبان کرنال جا رہے ہیں آپ بھی ان کے ساتھ چلے جائیے۔ مگر باوجود اسکے اس نے بہت گڑگڑا گڑگڑا کر روکنے کیلئے کہا مگر وہ شاید اس خیال سے نہیں رہے کہ مبادا مفسد بن حیلے بہانے سے نہ ٹھہراتے ہوں مطلق نہ ٹھہرے۔

اس عرصہ میں کپتان ہاکی صاحب گھوڑے پر سوار آ گئے اور میجر صاحب کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے چلے اور ان دونوں توپوں تک پہنچا دیا جو کرنال کی طرف جا رہی تھیں۔ چنانچہ توپ پر میجر صاحب بیٹھ گئے اور باتفاق انسائن لائن صاحب چار میل تک گئے مگر وہاں سے آگے نہ جا سکے کیونکہ دراہیوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور ان دونوں انگریزوں کو راستہ میں اتار دیا خوش قسمتی سے کپتان ڈلیس صاحب بگھی پر سوار وہاں آ موجود ہوئے اور دونوں صاحبوں کو اپنے ساتھ بٹھالا کر روانہ ہوئے۔

دہلی سے جس قدر گاڑیاں اور بگھیاں چوری چھپے سے جان بچا کر بھاگ نکلی تھیں جن میں بہت انگریز افسر اور ان کے عیال و اطفال تھے سب کرنال پہنچ گئے۔ راستہ میں صرف ایک جگہ دہلی سے قریب چالیس میل فاصلہ پر ٹھہرے تھے۔ یہاں چونکہ ڈاک بنگلہ تھا اس لیے کھانا کھانے کی غرض سے اُتر پڑے تھے۔ بہرحال یہ لوگ مع الخیر کرنال پہنچ گئے۔ مگر کرنل نیوٹ اور ان کے ساتھیوں

جو بھاگ نکلے تھے وہ لوگ البتہ بچارے میدانوں میں سرگرداں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ آخرکار رسالہ سوم لفٹنٹ گف کے اور لفٹنٹ میکنزی کے زیر حکم ادھر آنکلا اور اس نے ان کو حفاظت میں لے لیا اس گروہ میں جو ٹھیک رہا تھا کرنیل نیوٹ لفٹنٹ پیروکٹر لفٹنٹ میکرے ۲۰ رجمنٹ کے اور لفٹنٹ ولسن توپخانہ کے اور لفٹنٹ سالکیلڈ صاحب انجینیر لفٹنٹ دال بارٹ ۵۴ رجمنٹ کے لفٹنٹ جے فورسٹ میگزین والے مع اپنی میم اور تین لڑکیوں کے اور فریزر صاحب کی میم شامل تھیں یہ تمام لوگ کوہن تالی ایک شخص کے بہت شکرگزار ہیں جو ہر چند یورپین تھے ہیں اور ڈائس صاحب کے رشتہ دار ہیں جنکو شمرو کی بیگم نے اپنا لڑکا قرار دیا تھا کوہن صاحب موصوف نے ان سب صاحبوں کی بڑی مہمان نوازی کی اور اپنی حفاظت میں رکھا۔

۱۲ مئی دو بجے کے قریب ذیل کے اصحاب باغپت پہنچے جہاں اس قصبہ کے نمبرداروں نے ان سب لوگوں کی بہت مہمانداری کی ان کے علاوہ بھی جو انگریز اس طرف آنکلا اس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، باغپت میں ان لوگوں نے کھانا کھایا اور میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئے اور آفتاب کے غروب ہوتے ہوئے میرٹھ پہنچ گئے۔ اس گروہ میں یہ لوگ شامل تھے۔

کپتان ولسن مع میم کپتان ہاکی اور انسائن ملتھن متعلقہ ۷۴ رجمنٹ ہندوستانی کپتان ڈی ٹشر مع اپنی بیوی اور مس ہچنس صاحبہ اور مرلی صاحب کلکٹر کسٹم مع اپنی والدہ اور بیلی صاحب مع اپنے اہل و اطفال کے۔

ایک اور گروہ جس میں لفٹنٹ ہوز جیل ایڈیکٹن اور لفٹنٹ ریز صاحب مع ایجلو صاحب و لفٹنٹ ڈیولی صاحب تھے ان کا کہیں پتہ نشان نہ لگا معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتیوں کے ساتھ مارے گئے۔

لفٹنٹ ڈیولی، لفٹنٹ فورسٹ اور لفٹنٹ ریز صاحب نیز دوسرے انگریزوں نے میگزین کے بچانے اور حفاظت میں نہایت بہادری اور شجاعت سے کام لیا مگر چونکہ کچھ لوگ میگزین کے اندر تھے اور وہ بھی منحرف و دغاباز تھے نیز باہر مفسدین کا بہت مجمع ہو گیا تھا اس لیے اب اس کی حفاظت ممکن نہ تھی اس لیے میگزین کو آگ لگا دی اور اڑا دیا۔ اس ہنگامہ میں چند انگریز بھاگ نکلے

نکلے تھے۔ منجملہ ان کے ایک لفٹنٹ فورسٹ صاحب تھے اور ان ہی کی چٹھی سے میگزین کی محافظت کا حال معلوم ہوا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میگزین اڑنے کا فسانہ

۱۱ مئی صبح سات آٹھ بجے کے درمیان سر تھیو فلس مٹکاف صاحب میرے مکان پر آئے اور کہا کہ میگزین میں چلکر دو توپیں نکلوا کر پل پر بھیجو تاکہ مفسدین دریا کو عبور نہ کرسکیں۔ میں ان کے ہمراہ میگزین آیا یہاں لفٹنٹ ڈیولی لفٹنٹ ریز مع کنڈکٹر کلی صاحب شا کلی صاحب اور ایکٹنگ سب کنڈکٹر کرو صاحب اور سارجنٹ ایڈورڈ صاحب اور سٹوارٹ صاحب مع اپنے ہندوستانی عملہ کے موجود تھے۔ سر تھیو فلس اپنی بگھی سے اترے اور میں اور لفٹنٹ ڈیولی صاحب ان کے ساتھ برج پر گئے جو دریا کی طرف تھا یہاں سے پل صاف نظر آتا تھا وہاں پہنچکر دیکھا تو مفسد پل سے عبور کر رہے تھے۔

یہ حال دیکھکر سر تھیو فلس مٹکف صاحب لفٹنٹ ڈیولی صاحب کو ساتھ لیکر شہر پناہ کا دروازہ دیکھنے گئے کہ وہ بند کردیا گیا ہے یا نہیں چنانچہ تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور مفسد نہایت خوش و خرم قلعہ کے دروازوں میں داخل ہو رہے تھے اور بادشاہی مکانات تک پہنچ گئے تھے جب لفٹنٹ ڈیولی واپس آئے تو انہوں نے میگزین کے دروازے بند کرا کر ان میں تیغے لگوا دیئے دروازہ کے اندر دو توپیں چھ پنی کی دو چند گراب بھروا کر ایکٹنگ سب کنڈاکٹر صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب کے زیر اہتمام رکھوا دی گئیں اور ان صاحبوں کو بتیاں دیکر یہ حکم دیدیا گیا کہ اگر مفسدین دروازہ کے اندر داخل ہوں تو دونوں توپیں سر کردی جائیں میگزین کا بڑا دروازہ بھی اسی طرح دو توپوں سے مضبوط و مستحکم کردیا گیا اور دروازہ کے اندر لگوکر بچھا دیئے گئے بنظر احتیاط دو چنی [illegible] دو توپیں اور اس طرح پر قائم کردی گئیں کہ ان کا گولہ دروازہ اور برج تک پہنچتا تھا اس کے علاوہ دروازہ اور دفتر ان کے درمیان راستہ تھا ان دونوں راستوں پر تین تین چھ پنی اور

سہ بہنی کا غبارہ اس طرح نصب کر دیا کہ جدھر چاہیں گھماکر قرب و جوار کے مکانات کی حفاظت کر سکیں جب غبارہ اور توپیں قائم کر دی گئیں تو ان سب میں دو چند گراب چھرے بھر وا دیئے گئے غرضکہ تمام ممکن حفاظت کا سامان اچھی طرح کر کے ہندوستانی عملہ کو ہتھیار تقسیم کیئے جانے لگے مگر ان لوگوں نے نہایت ناخوشی سے لیئے مگر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ ان لوگوں کے چہرہ پر نہیں پائی جاتی تھی اسکے بعد کنڈ اکٹر بکلی صاحب اور سارجنٹ اسٹوارٹ صاحب نے ایک شتابہ لگایا۔ انکو یہ حکم تھا کہ جب لفٹننٹ ڈیولی صاحب کے حکم سے کنڈ اکٹر بکلی صاحب اپنی ٹوپی سر سے اٹھائیں اسی وقت شتابہ میں آگ دیدو۔ چنانچہ صاحب موصوف نے یہ شتابہ اڑا دیا مگر اس وقت جبکہ ایک ایک گولہ غبارہ کا چل چکا تھا۔ اتنے عرصہ میں قلعہ سے گارد آیا اور میگزین پر شاہ دہلی کے نام سے قبضہ طلب کیا مگر اسکا کچھ جواب ادھر سے نہ دیا گیا۔ اسکے بعد میگزین کے گارد کے صوبہ دار لفٹننٹ ڈیولی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ شاہ دہلی نے مفسدین کو کہلا بھیجا ہے کہ ہم زینہ بھیجتے ہیں تاکہ تم لوگ میگزین کی دیواروں پر چڑھ جاؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں زینہ آ گیا اور اسکو لگا کر تمام ہندوستانی عملہ دیواروں پر چڑھکر باہر اتر گیا مفسدین بے انتہا کثرت سے آ گئے۔ ہمارے پاس جب تک گولہ بارود رہا خوب مقابلہ کرتے رہے چنانچہ مفسدین کا بہت نقصان ہوا۔ مگر چونکہ وہ بہت کثرت سے تھے اور رنجک کے توڑ دان ہندوستانی سپاہی مفسدین میں سے پہلے چھپا کر رکھ گئے تھے اس لیئے مجبوراً میگزین اڑا دینا پڑا۔

ہندوستانی عملہ میں سے رحیم بخش نامی ایک شخص مفسدین کے گروہ سے ملا ہوا تھا وہ میگزین کے دروازوں کا دربان تھا یہ شخص باہر مفسدین کو اندر کا حال بتلا دیا کرتا تھا۔ یہ بار بار اندر آتا جاتا تھا اور جیسا حال کہدیتا تھا لفٹننٹ ڈیولی صاحب اس شخص کی ناشائستہ حرکات سے اس قدر تنگ اور عاجز آ گئے تھے کہ مجبوراً حکم دیدیا تھا کہ اگر یہ اس مرتبہ پھر باہر جاوے تو گولی ماردو۔

لفٹننٹ ریز صاحب نے دوسرے انگریزوں کے ساتھ ملکر میگزین کی حفاظت کے لیئے تمام ممکن تدابیر کر ڈالیں کنڈ کٹر نکل صاحب نے جس قدر توپیں تھیں کم از کم چار دفعہ سر کیں اور استقلال مضبوطی اور اوسان کی درستی کے ساتھ انہوں نے اپنا فرض انجام دیا گو یا پریٹ پر کام انجام دے رہے ہیں چنانچہ انکے

مفسدین جو ۴۰ یا ۵۰ گز کے فاصلہ پر تھے ہر طرف سے گولیوں کی بارش کر رہے تھے جب گولہ بارود
ختم ہو گیا اس وقت کنڈکٹر صاحب کی کہنی سے ذرا اوپر ایک گولی آ کر لگی جو بعد میں نکال لی گئی۔
اس کے بعد دو گولیاں میرے بھی لگیں۔ اس جنگ اور ہنگامہ کے بعد لفٹنٹ ڈیولی صاحب نے
میگزین کے اُڑا دینے کا حکم دیا جس کی تعمیل کنڈکٹر سکلی صاحب نے فوراً کی تمام شتابوں کو آگ
لگا دی اگرچہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو کچھ آسیب و گزند نہ پہنچا ہو لیکن جان سے بچ گئے اور ان
راستوں سے جو میگزین کے اُڑنے سے اس کی دیواروں میں بن گئے تھے دریا کی طرف باہر آ گئے لفٹنٹ
ڈیولی اور میں جان سلامت لیکر کشمیری دروازہ تک پہنچ گئے میں نہیں کہہ سکتا کہ اوروں کے ساتھ کیا ہوا
لفٹنٹ رینر صاحب اور کنڈکٹر سکلی صاحب جان سلامت بچا لائے۔ سارجنٹ ہڈیل صاحب
میگزین کی حفاظت و امانت کے لیے آ رہے تھے کہ مفسدوں نے راستہ ہی میں انہیں مار ڈالا۔
اس حادثہ کے متعلق ۵۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک اور افسر کی چٹھی بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۱۱ مئی سنیچر کے روز دہلی کی تمام فوج کو پریڈ کرنے اور رسالہ سوم کے کورٹ مارشل
کی تجویز سننے کے لیے حکم صادر ہوا چنانچہ سب فوج پریڈ پر جمع ہوئی اور پریڈ کرنے کے بعد سب
اپنی اپنی چھاؤنی میں چلے گئے۔ قریب نو بجے کے کرنل ریلی صاحب واپس آئے تاکہ اپنی رجمنٹ اور دو توپیں
دریا کے پل پر لے جائیں اور رسالہ سوم کے مفسدین کو دریا عبور کرنے سے روکیں چنانچہ گوروں کی تمام
رجمنٹ فوراً حکم پاتے ہی باہر آئی اور دس منٹ میں تیار ہو کر چھاؤنی تمام روانہ ہو گئی جب میں پریڈ پر پہنچا تو
کرنل صاحب نے مجھکو حکم دیا کہ اپنی کمپنی نمبر اول کو لیکر توپخانہ میں جا کر ان دونوں توپوں کے ساتھ رہو
جو روانہ ہونیوالی ہیں چونکہ کپتان ڈی ٹشر صاحب کا بنگلہ راستہ میں تھا اس لیے میں ان کے پاس گیا اور
ان سے توپوں کی روانگی کے متعلق دریافت کیا۔ صاحب ممدوح نے کہا کہ ابھی تیار ہوتی ہیں، تم
صدر بازار میں ان کا انتظار کرو دونوں توپیں وہیں پہنچ جائینگی۔ میں ان کے حکم کے مطابق صدر بازار میں
جا کر ٹھہر گیا مجھے وہاں پہنچے ہوئے آدھ گھنٹہ کے قریب گزر گیا مگر توپوں کا ابتک کوئی پتہ نشان نہ تھا
عاجز و ناچار ہو کر میں نے لفٹنٹ والی بارٹ صاحب سے کہا آپ جا کر دریافت کریں کہ توپوں کے

آنے میں کیوں اس قدر دیر ہوئی اور میں اپنی کمپنیاں لیکر شہر کی طرف جاتا ہوں تاکہ وقت بیکار نہ جائے
لفٹننٹ والی مارٹ جس وقت پیچھے توپیں باہر آ رہی تھیں اور میرے پاس اس وقت پہنچیں جب میں نصف
راستہ سے زیادہ طے کر چکا تھا جب میں گارد سے سو گز کے قریب پہنچا تو کپتان ولسن صاحب متعلقہ
۷۴ رجمنٹ کے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ جلد چلو کیونکہ مفسد وہاں پہنچ گئے ہیں اور ان بدبختوں
نے ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے تمام افسروں کو قتل کر ڈالا ہے یہ سنکر میں نے حکم دیا کہ دونوں توپیں اور سب
بندوقیں بھری جائیں اس عرصہ میں میں نے دیکھا کہ کرنیل صاحب مجروح اور خستہ حال میجر صاحب
کی امداد میں ایک پالکی پر سوار چلے آرہے ہیں، چونکہ میری دونوں کمپنیوں نے بندوقیں بھری تھیں
اس لیے میں ان کو لیکر مفسدین کی تلاش میں نکلا اور مقام گارد میں آیا مگر اس وقت وہاں کوئی مفسد
نہ تھا اور نہ ۵۴ رجمنٹ کی ہشتم کمپنی کا کوئی سپاہی مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ یہ حال دیکھکر میں
نے دونوں توپیں شہر کے دروازہ پر لگا دیں اور جا بجا پہرے مقرر کر دیے۔ اس جگہ میں یہ بیان کر دینا بھی
ضروری خیال کرتا ہوں کہ کپتان ولسن صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ جو گارد پہرہ میں تھا جس میں پچاس سپاہی ۳۸ نمبر
کی رجمنٹ کے تھے چھ گز کے فاصلہ پر کھڑے کرنیل ریلی صاحب کے مجروح اور زخمی ہونے کا تماشا دیکھتے
رہے اور کسی نے امداد نہ دی۔ حالانکہ کپتان ولسن صاحب نے بہت کچھ ترغیب دی مگر ٹس سے مس
تک نہ ہوئے خود کرنیل ریلی صاحب کا بیان ہے کہ مجھ کو خود میری ہی رجمنٹ کے سپاہی نے سنگین
سے مجروح کیا ہے ڈاکٹر اسٹوارٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے صاحب موصوف کو مفسدین کی تلواروں
کے خوشامد سے ہاتھ جوڑتے دیکھا تھا اسپر بھی ان نابکار مفسدین نے کئے افسروں کو قتل و غارت ہوتے سے مطلق نہیں بچایا۔

غرض جب کوئی مفسد نظر نہ آیا تو ہم نے افسروں کی لاشوں کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ ان کو
جا بجا میدانوں میں اور گرجا گھر کے قریب اور اسکے متصل مکانات کے ارد گرد پایا چنانچہ سب لاشوں کو
گارد کے مکان کے صحن میں جمع کیا جن افسروں کی لاشیں تلاش سے ملگئیں انکے نام حسب ذیل ہیں۔

کپتان اسمتھ صاحب کپتان روس صاحب لفٹننٹ ایڈورڈ صاحب وائر فیلڈ صاحب
ڈاکٹر ووجنگ صاحب لفٹننٹ بٹلر صاحب - ان کے علاوہ لفٹننٹ اسمیورن صاحب انساین کلو صاحب

بھاگ گئے تھے بعد میں ہمارے پاس صحیح سلامت آگئے ان میں سے لفٹنٹ بٹلر صاحب کے ایک سخت زخم سر پر لگا تھا۔ جو ان کے بیان کے موافق شہر والوں نے مارا تھا۔ اب شہر والوں نے گرجا گھر اور انگریزوں کی کوٹھیوں کو خوب لوٹنا شروع کیا۔ میں بمشکل گارد تک جان سلامت لیکر پہنچا لیکن ان تمام امور کے باوجود شہر میں اس وقت سب طرح امن امان تھا۔ اس کے بعد میگزین کی طرف سے توپوں کے چلنے کی آواز سنائی دی میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ دو بجے کے بعد ۷۴ نمبر کی رجمنٹ زیر حکم میجر ایبٹ صاحب آچکی تھی اسکے ایک گھنٹہ کے بعد میگزین کے اُڑنے کی آواز آئی لیکن ہم کو یہ نہ معلوم ہوا کہ میگزین کس نے اُڑایا اور کیونکر اُڑا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد لفٹنٹ ویلی صاحب جو میگزین سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اور سارجنٹوں نے حتی المقدور بچایا اور جب تک اس کا بچنا ممکن تھا ہم نے اسے نہیں اُڑایا۔ مگر جب شاہ دہلی کے بھیجے ہوئے جنگی زینے آگئے اور مفسدین اندر تک پہنچ گئے اور خلاصی وغیرہ بھی ہم سے منحرف ہوکر مفسدین سے مل گئے تو ناچار ہم نے اس کو اُڑا دیا ہم نہیں جانتے کہ اس میں کس قدر آدمی مرے مگر میں بمشکل بچکر بھاگ نکلا ہوں۔ صاحب موصوف کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر فضل الٰہی شامل حال نہ ہوتا تو ان کا بچنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ بارود کے صدمے سے تمام چہرہ سیاہ ہوگیا تھا۔

اس روز تمام دن برگیڈیر صاحب کا کوئی حکم ہمارے پاس نہ آیا۔ حالانکہ ہم نے کئی مرتبہ ان کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ کوئی حکم بھیجدیں مگر ایک مرتبہ بھی صاحب موصوف اور برگیڈیر میجر صاحب ادھر دیکھنے تک نہ آئے کہ کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ ان کا یہاں آنا بہت ضروری تھا۔ البتہ صاحب موصوف نے دو عدد توپیں ہماری امداد کے واسطے بھیجی تھیں مگر بعد میں پھر واپس منگالیں۔ ۵۴ نمبر رجمنٹ کے ڈاکٹر دو صاحب کو ایک توپخانہ کے ایک سپاہی نے سخت زخمی کر ڈالا۔ ان کے چہرہ پر شدید زخم آئے تھے ڈاکٹر صاحب موصوف گارد میں علاج کے واسطے آئے تھے اور اب واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کو زخمی کر دیا گیا۔

شام کے پانچ بجے کے قریب ایک حکم اس مضمون کا آیا کہ ایک رجمنٹ ۷۴ نمبر کی جو میجر ایبٹ صاحب کی کمان میں تھی پہاڑی پر جہاں ۳۸ نمبر کی رجمنٹ پہلے سے تیار کھڑی ہے فوراً آ جاوے سپاہی تیار ہو کر کوچ کے منتظر کھڑے تھے کہ دفعتاً ۳۸ نمبر کی رجمنٹ کے بعض سپاہیوں نے افسروں پر جو صحن میں موجود تھے گولیاں مارنی شروع کر دیں میں اتفاقاً کشمیری دروازہ کے قریب تھا میں نے دیکھا کہ ایک افسر زخمی ہو کر زمین پر گرا۔ اتنے میں میری رجمنٹ کے ایک سپاہی نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر مجھکو دروازہ کے باہر زور سے دھکا دیکر نکال دیا اور یہ کہا کہ اگر ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہر و گے تو تم بھی اسی طرح مارے جاؤ گے۔ جونہی میں باہر آیا کہ ایک سپاہی ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کا میرے ساتھ ہو گیا۔ ہم نے سپاہی کو ساتھ لیکر راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے پہاڑی کے برج کی راہ لی وہاں پہنچکر بریگیڈیر صاحب اور دوسرے انگریزوں سے سب حال بیان کیا گیا۔ یہاں چھاؤنی میں بہت سی میمیں اور اکثر عہدہ دار موجود تھے۔ یہ حال سنکر سب کے بھاگنے کا ارادہ ہوا تو آدمیوں کا اژدہام گاڑی بگھی اور پالکی گاڑیوں کی کثرت اور آدمیوں کی پریشانی قابل دید تھی۔ یہ سب کرنال کی طرف روانہ ہو گیا مگر جب اس مقام پر پہنچیں جہاں سے ایک راستہ میرٹھ کی طرف جاتا تھا تو چند سواریاں میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ مجھے اس سے پہلے یہ بیان کر دینا چاہیئے کہ قریب گیارہ بجے کے ۵۴ نمبر رجمنٹ کی لائٹ کمپنی کا ایک سپاہی میرے پاس آیا اور اس نے بیان کیا کہ مجھکو رجمنٹ والوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو جہاں کا حکم دیں وہ وہاں جائیں میں یہ سنکر متعجب ہوا اور میں نے دریافت کیا کہ رجمنٹ کہاں ہے اُس نے کہا کہ سبزی منڈی میں ہے میں نے اس سے پوچھا کہ رجمنٹ وہاں کس لئے اور کیونکر گئی، اس نے جواب دیا کہ جس وقت مفسدین نے افسروں پر حملہ کیا تو تمام سپاہی متفرق ہو کر بھاگ گئے اور اب تمام شہر میں پھر پھرا کر سبزی منڈی میں جمع ہوئے ہیں یہ سنکر میں نے حکم دیا کہ سب میرے پاس چلے آویں چنانچہ وہ گیا اور سب سپاہی حسب الحکم مع نشان جھنڈہ وغیرہ کے حاضر ہو گئے۔

اسکے بعد حولدار میجر نے آکر کہا کہ تم لوگ رسالہ سوم کے سواروں کے ہمراہ تھے اور ان کے لوگوں کو شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے مگر سپاہی نے اس سے انکار کیا۔ یہاں تک تو چشم دید حالات

میں نے بیان کیئے مگر جب میں گارد سے چلا آیا تو اس کے بعد کچھ واقعات ظاہر ہوئے وہ ایک صاحب کی چٹھی سے نقل کیا جاتا ہے جو وہاں موجود تھے اور دوسرے انگریزوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔

۴۳ رجمنٹ کے سپاہیوں نے جب اپنے ہی افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو تمام افسر ایک موری کے ذریعہ جو گارد کے کمرہ کے اندر تھی بھاگ کر بنا گیر ہوئے۔ مگر جب تک بھاگیں بھاگیں تین افسر یعنی کپتان گارڈن صاحب لفٹنٹ اسمتھ صاحب اور لفٹنٹ ریولی صاحب مارے گئے اور لفٹنٹ اسبورن صاحب کے ایک گولی ٹانگ میں آکر لگی مگر یہ سب کے ساتھ مقام مذکور میں کسی طرح پہنچ گئے اور زخم کو باندھ بوندھ کر خندق میں کود پڑے اور خندق کی تہہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے انگریز بھی کودنے کے لیئے تیار تھے کہ عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری اور رونے دھونے کی آواز آئی۔ یہ سب میمیں گارد کے کمرہ کے اندر موجود تھیں۔ یہ سنکر سب انگریز کمرہ کے اندر واپس گئے حالانکہ گولیوں کی ان پر بارش ہو رہی تھی مگر ان لوگوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور سب عورتوں کو ایک ایک کرکے رومالوں کو باندھکر اس کے ذریعہ خندق میں نیچے اُتار دیا اور خود بھی اُتر گئے اسکی دوسری طرف کی دیوار پر چڑھکر انہیں رومالوں کے ذریعہ پھر سب عورتوں کو کھینچ لیا وہاں سے سب کے سب دریا کی طرف روانہ ہو گئے مگر ہر ہر قدم پر خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں مفسد نہ آجائیں اور ہم کو مار نہ ڈالیں مگر خدا کا شکر ہے کہ مفسدین نے ان کا پیچھا نہیں کیا بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ اس وقت بھی گولیاں نہیں چلائیں جب یہ سب عورتیں اور مرد خندق میں اُتر رہے تھے۔ حالانکہ اس اُترنے چڑھنے میں آدھ گھنٹہ صرف ہوا ہوگا۔ غرضکہ یہ سب انگریز اور ان کی عورتیں دریا کے پار پہنچیں اور وہاں سے بے انتہا سرگردانی اور فاقہ کشی کے بعد ایک دیہات میں پہنچے جو دہلی سے بارہ میل پر واقع تھے یہاں کے نمبردار نے ان لوگوں سے اقرار کر لیا تھا کہ وہ ایک چٹھی میرٹھ روانہ کردے گا چنانچہ میرٹھ سے تیسرے دن کچھ فوج آئی اور اس قافلہ کو اپنی حفاظت میں میرٹھ لے گئی۔ لفٹنٹ ٹیلر صاحب اور انسائن انجلو صاحب بھی بھاگے تھے مگر وہ کسی گاؤں میں مارے گئے۔

انگریزوں کے قتل و غارت کے بعد مفسدین نے ایک شاہزادہ کو تخت پر بٹھایا اور

اپنا چوکی پہرہ سب دروازے پر بٹھا دیا قلعہ کے چاروں طرف توپیں چڑھا دی گئیں خزانہ بھی قلعہ ہی میں رکھا گیا کیونکہ مفسدین کا ارادہ تھا کہ اگر انگریز ہم پر حملہ کریں گے تو اس مقام کو وہ آخر دم تک نہ چھوڑیں گے۔

مفسدین نے صرف انگریزوں ہی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ شہر والوں کے ساتھ بھی وہ وہ ظلم کئے کہ الامان و الحفیظ، دہلی شہر ہمیشہ سے دولتمند مشہور ہے مفسدین خوب جانتے تھے اسی لیئے خوب جی کھول کر اسے لوٹا۔

ایک ہندوستانی جو اس درمیان یعنی ۱۱ مئی سے ۲۳ جون تک دہلی میں تھا شہر کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے کہ مفسدوں نے شہر کے باشندوں کا ایک گھوڑا بھی نہیں چھوڑا سب چھین لے گئے اکثر دوکانداروں کو محض اس قصور پر جان سے مار ڈالا کہ وہ واجبی قیمت مانگتے تھے۔ بزرگوں سے بدزبانی سے پیش آئے، دریا کے پل پر جو گارد مقرر تھا اُس نے ہر ایک مسافر لوٹ لیا۔

جس روز سے شہر میں داخل ہوا اور جب تک رہا میں نے کبھی پورا بازار کھلا ہوا نہیں دیکھا۔ صرف دو چار بنیئے بقالوں کی دوکانیں معمولی سامان کی کھلا کرتی تھیں شہر کے باشندے اور دوکاندار سب ہی افسوس کرتے تھے۔ اہل حرفہ کی حالت فاقہ کشی تک پہنچ گئی تھی۔ بیوہ عورتیں مکانوں میں بیٹھی رویا کرتی تھیں اور صبح سے شام تک مفسدین کو بددعا دیا کرتی تھیں۔ انگریزوں کے نامی اور مشہور ملازموں نے گھر سے نکلنا موقوف کر دیا تھا۔

ہر روز ایک نیا کوتوال مقرر ہوتا تھا مفسدوں کو شہر میں جہاں نقد روپیہ نظر آتا فوراً لوٹ لیتے تھے۔ یہ سب روپیہ ابھی تک سپاہیوں کے قبضہ میں تھا اور خزانہ شاہی میں ایک حبہ داخل نہیں ہوا تھا۔ بعض رجمنٹوں کے پاس اس قدر روپیہ جمع ہو گیا تھا کہ وہ بمشکل حرکت کر سکتے تھے۔ چنانچہ بوجھ کی وجہ سے انہوں نے روپیہ کی مہریں بدلوا لیں۔ مہاجنوں نے مہر کا نرخ اس قدر بڑھا دیا تھا کہ جو مہر سولہ روپئے کی ورکی تھی اس کے چوبیس اور پچیس روپئے کر دیئے جس طرح پہلے سپاہیوں نے مہاجنوں کو لوٹا تھا اسی طرح اب مہاجن سپاہیوں کو لوٹنے لگے یہاں تک لوٹا کہ طلائی اشرفیوں کی بجائے پیتلی اشرفیاں فروخت کیں۔

جس رجمنٹ کے ہاتھ کچھ لوٹ نہیں لگی وہ دولتمند سپاہیوں پر رشک کرتے تھے اور چونکہ متمول سپاہی میدانِ جنگ میں نہ جاتے تھے اس بہانے سے مفلس سپاہی ان کو بہت سخت وسست کہتے تھے بلکہ میں نے سُنا کہ دولتمند اور غریب سپاہیوں میں لڑائی ہونیوالی ہے۔

ایک رجمنٹ علیگڑھ سے ایک سو پچاس سوارین پوری سے تھوڑے بے سلاح سپاہی آگرہ سے ایک رجمنٹ اور دو سوار ہانسی حصار سے تھوڑے بے سلاح سپاہی انبالہ سے دو سو سوار اور دو کمپنی متھرا سے ششم رسالہ لائٹ اور دو رجمنٹ جالندھر سے دو رجمنٹ اور توپخانہ نصیرآباد سے میرے سامنے دہلی میں داخل ہوئیں اور مفسدین کے ساتھ شامل ہوگئیں۔

مرادنگر، رُہتک، علیگڑھ، ہانسی، متھرا، گڈھی، ہرسرو، تر سیلی ان مقامات کے سرکاری خزانوں کو مفسدین نے لوٹ لیا اور شاہی خزانہ میں داخل کر دیا۔ بادشاہ کی طرف سے فی پیدل سپاہی ۴ر اور فی سوار ایک روپیہ یومیہ دیا جاتا تھا مجکو یہ نہیں معلوم کہ سرکاری خزانوں سے کس قدر روپیہ آیا لیکن ۱۸ر جون کو شاہی خزانہ میں ایک لاکھ انیس ہزار روپیہ موجود تھا۔

شہزادے شاہی فوج کے افسر مقرر ہوئے تھے۔ مجھے ان عیش کے بندوں پر رحم آتا تھا بعض وقت ان بچاروں کو ٹھیک دوپہر میں شہر سے باہر جانا پڑتا تھا تو مصیبت آجاتی تھی۔ توپ بندوق کی آواز سے دل دھڑک اُٹھتا تھا اس پر لطف یہ کہ آئین حکمرانی سے بالکل ناواقف۔ سپاہی ان کی ناواقفی پر قہقہہ لگاتے تھے بلکہ بعض اوقات تو ان کی بدنظمی کے باعث بدزبانی سے پیش آتے تھے۔ فوج کے لیئے بادشاہ شیرینی وغیرہ میدانِ جنگ میں بھیجتے تھے تو یار لوگ راستہ ہی میں مالِ غنیمت سمجھکر چٹ کرجاتے تھے۔ شاہی فوج کی شجاعت و بہادری اور بھی قابلِ تعریف تھی حقیقت میں وہ بڑے دانا تھے جب ان کا جی چاہتا کہ میدانِ جنگ سے واپس آجائیں تو پھٹے پُرانے کپڑے پیروں پر زخم کے بہانے سے باندھکر لنگڑاتے اور ہائے وائے کرتے ہوئے واپس چلے آتے تھے۔

۳۰ر جون کو رات کے وقت پل ہینڈن پر مفسدین بالکل حواس باختہ ہوگئے تھے اکثر سپاہیوں نے اپنی تلواریں اور بندوقیں کنوؤں میں ڈال دی تھیں اور منتشر ہوکر جنگلوں اور دیہاتوں کی

طرف بھاگ گئے تھے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ انگریزی فوج ان کا تعاقب کرتی چلی آ رہی ہے اگر اس دن انگریزی فوج آ جاتی تو دہلی پر اسی دن قبضہ ہو جاتا اس لیئے کہ یہ منتشر سپاہ دوسرے روز شہر میں واپس آئی۔ اکثر ان میں سے لاپتہ ہو گئے۔ راستہ میں گوجروں نے ان کو خوب لوٹا۔ چنانچہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس ایک حبہ نہ تھا۔

بادشاہ کا حکم شاذونادر ہی مانا جاتا تھا اور شہزادوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہ تھا کہ تم ہو کس مرض کی دوا۔ سپاہ بالکل بے سری ہو گئی تھی۔ نہ بگل کو مانتے تھے نہ افسروں کی سنتے تھے اور نہ اپنا متعلقہ کام انجام دیتے تھے۔ فوج کی گنتی تو ایک طرف رہی کبھی وردی بھی نہیں پہنی۔

رئیس شہزادے اور بیگمات اپنی گزشتہ خوش باشیوں کا افسوس کرتے تھے شہزادے فوج کی زبان نہ سمجھتے تھے۔ اور بغیر مترجم کے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔

تل کے گولوں سے شہر کے مکانات اکثر منہدم ہو گئے قلعہ کے دیوانِ خاص میں جو تختِ سنگِ مرمر کا بچھا ہوا تھا چور چور ہو گیا۔

دہلی کا انگریزی مدرسہ پہلے ہی دن لوٹ لیا گیا تھا اور انگریزی کتابیں گلی کوچوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جو انگریزی بولتا تھا تو سپاہی اسکی خوب مرمت کرتے تھے اور قید کر دیا کرتے تھے۔

میگزین ۱۱ مئی کو پھٹا تھا۔ اس کے سبب سے قرب وجوار کے بہت سے مکانات کو صدمہ پہنچا تھا قریب پانچسو آدمی اسکے صدمہ سے مر گئے لوگوں کے مکانوں میں اس قدر گولیاں گری تھیں کہ لڑکوں نے آدھ آدھ سیر اور بعض لڑکوں نے سیر سیر بھر چن لیں۔

اس کے بعد مفسدوں اور شہر کے باشندوں نے میگزین کو خوب لوٹا جس قدر ساز وسامان ٹوپی بندوق تلوار اور سنگین لے سکے اٹھا کر لے گئے۔

خلاصیوں نے اپنے گھروں کو عمدہ عمدہ ہتھیاروں اور سامان سے خوب بھر لیا اور روپیہ کے تین سیر کے حساب سے تول تول کر بیچ ڈالا۔

تانبے کی چادریں روپیہ کی تین سیر فروخت ہوتی تھیں بندوقوں کی قیمت بہت سے بہت

آٹھ آنہ تھی مگر خوف سے کوئی خریدتا نہیں تھا۔ اچھی سے اچھی انگریزی کرچ ۴ر کو بھی گراں سمجھی جاتی تھی اور سنگین تو ایک آنہ میں بھی بہت مہنگی تھی۔ توزدان اور پرتلے اس کثرت سے تھے کہ ان کے لوٹنے والوں کو بیچتے وقت ایک حبہ نہیں ملا یعنی کسی نے خریدا ہی نہیں مجنوں کے ٹیلے میں جس قدر بارود تھی اس میں سے نصف تو گوجر وغیرہ لوٹ لے گئے اور نصف شہر میں آگئی۔

تیسرا افسانہ

میگزین کی حفاظت کے متعلق کنڈکٹر بگلی اور دوسرے انگریزوں کا اوپر ذکر آچکا ہے ذیل کی چٹھی سے معلوم ہوگا کہ بگلی صاحب پر میگزین کے اُڑنے اور بھاگنے کے بعد کیا گزری۔

صاحب موصوف نے میگزین سے نکلتے ہی یہ کار نمایاں کیا کہ رابرٹ صاحب کی میم کو مع چار سالہ لڑکے کے دریا پار کرایا۔ اس میں یہ دقت تھی کہ صاحب موصوف کے ہاتھ پر میگزین کی لڑائی میں ایسا سخت زخم آیا تھا کہ وہ ہاتھ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ دریا عبور کرنے کے بعد پانچ چھ زخم اور آئے تھے۔ کیونکہ جمنا پار مفسدوں نے انہیں گھیر لیا اور تمام بدن کے کپڑے سوا قمیص کے سب چھین لیے گئے۔

وہ بارہ دن کی آوارہ گردی کے بعد لفٹننٹ ریز صاحب مع ان کے عیال و اطفال کے ساتھ میرٹھ پہنچے ریز صاحب سے بظاہر وہ ایک دن کے بعد گئے تھے بگلی صاحب کی ملاقات ریز صاحب سے ایسی ہی حالت میں ہوئی کہ مفسدین نے جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا تھا اور ان کو گھیر رکھا تھا۔ ریز صاحب اور ان کی میم صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اگر اس شخص یعنی خبر دینے والے کا شجاعانہ اور دلیرانہ طریق کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو وہ کبھی صحیح و سالم میرٹھ نہ پہنچ سکتے۔ کیونکہ اس نے کئی مرتبہ اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ مفسدین میں سے ایک شخص نے ان کی گردن پر پاؤں بھی رکھ دیا کہ سر تن سے جدا کر دے مگر جب انہوں نے یہ کہا کہ میں اپنے سر کو اس نیت سے قربان کرتا ہوں کہ میری جان لینے کے بعد تم ان عورتوں کی بے پردگی اور بے حرمتی نہ کروگے۔

تو اس بات سے مفسدین کو رحم آیا اور انہوں نے چھوڑ دیا۔

اس سے زیادہ شجاعت و بہادری کا کام یہ کیا کہ صرف چھ روز اسپتال میں رہے تھے کہ بریگیڈیر ولسن صاحب دہلی جانے لگے۔ ان کو خبر ہوئی تو یہ بھی بریگیڈیر صاحب کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ مجھکو ہمراہ لے چلیے۔ مگر چونکہ زخم ابتک ہرے تھے اس لیے بریگیڈیر صاحب نے درخواست نامنظور کر دی تاہم ہم نے سُنا ہے کہ وہ صرف ۹ دن اسپتال میں رہے اور دسویں دن توپخانہ اور سامانِ جنگ جو میرٹھ کی فوج کے واسطے جا رہا تھا اس کے ساتھ ہو گئے اور مقام پل ہنڈن پر پہنچکر فوج کے ہمراہ دہلی کی چھاؤنی میں داخل ہو گئے اور ۱۷ جون تک فوج کے ہمراہ رہے اس درمیان میں تین مرتبہ ان کو سرسام ہوا۔ دو مرتبہ راستہ میں اور ایک دفعہ مورچال چھاؤنی میں جہاں وہ ضروری کاموں میں مشغول تھے تیسری مرتبہ سرسام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اوّل تو جسم نحیف و کمزور پھر دن بھر آفتاب کی تیزی میں سخت کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ الغرض ۱۷ کو وہ میرٹھ واپس کئے گئے۔ مگر یہ واپسی ان کی مرضی کے خلاف تھی۔ ان صاحب نے ۲۶ برس تک سرکار کی خدمت کی اس عرصہ میں ۱۷ سال تک صرف میگزین کا کام کیا۔ اور جو کچھ مال و اسباب تھا وہ سب برباد کر دیا۔ زیادہ افسوس یہ کہ ان کی میم صاحب اور تین بچے بھی اسی ہنگامۂ غدر میں ضائع ہوئے۔

چوتھا فسانہ

ڈاکٹر ایس۔ ایچ ہیٹن صاحب بیس پچیس روز تک ہندوستانیوں میں حیران و سرگردان پھرتے رہے اور ہر طرح کی تکلیفیں اور بے عزتی اس عرصہ میں اُنہوں نے اُٹھائی تین چار مرتبہ تو ایسا ہوا کہ وہ اپنے تئیں قریب المرگ سمجھنے لگے۔ بھاگنے اور سفر کے وقت جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں ان پر پڑیں اس کے متعلق خود ان کا بیان ذیل میں درج

کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ نہایت توجہ اور شوق سے پڑھا جائیگا۔

دہلی کی پہاڑی پر جو برج ہے اس میں تمام میمیں جمع ہو گئی تھیں جب خوف او خطرہ ظاہر ہوا تو میں برگیڈیر گریوس صاحب کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اگر آپ گورہ فوج کی کمک اور مدد طلب کرنے کے لیئے چٹھی لکھیں تو میں اسے لیکر میرٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ صاحب موصوف نے فوراً چٹھی لکھکر میرے حوالہ کردی۔ میں اپنے بال بچوں اور دوسری میموں سے مل ملا کر اپنے بنگلہ پر آیا اور فقیرانہ لباس پہنکر اور ہاتھ پاؤں رنگ کر شہر میں ہوتا ہوا دریا کے پل تک پہنچا مگر خوبی قسمت دیکھیئے کہ وہاں پل ٹوٹا ہوا تھا۔ ناچار اس نیت سے چھاؤنی واپس آیا کہ میگزین سے قریب جو راستہ ہے اس طرف سے دریا عبور کرنا چاہیئے۔ مگر اس عرصہ میں رسالۂ سوم کے سوار چھاؤنی میں پہنچ گئے تھے اور جاٹ و گوجر چھاؤنی کے قرب وجوار کے دیہاتوں کو جوق جوق لوٹنے کے واسطے چلے آرہے تھے۔ صاحب لوگوں کے بنگلوں کو آگ لگ چکی تھی۔ میں یہ حال دیکھکر میرٹھ پہنچنے سے مایوس ہو گیا اور پریڈ کے میدان سے آگے بڑھا۔ اس اثنا میں دو سپاہیوں نے مجھ پر گولی چلائی اور میں بچ گیا۔ میں ابھی اس باغ تک پہنچا تھا جو شہر سے متصل ہے کہ گاؤں والوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میرے سب کپڑے چھین لیئے۔ میں وہاں سے مادرزاد برہنہ اس خیال سے کرنال کی طرف روانہ ہوا کہ شاید ان لوگوں (انگریزوں) میں سے جو کرنال جا رہے ہیں راستہ میں کوئی مل جائے۔ مگر میں ابھی ایک ہی میل گیا ہونگا کہ دو سپاہی نمودار ہوئے جو اور انگریزوں کا تعاقب کر رہے تھے مگر کوئی ان کے ہاتھ نہ لگا تھا۔ بہرحال وہ میرے پاس آئے اور ننگی تلواریں لیکر کہنے لگے تو فرنگی ہے مگر میں نہایت عاجزی سے ان کے سامنے گر پڑا۔ اور چونکہ میں مذہب اسلام اور ہندی زبان سے واقف تھا اس لیئے میں نے پیغمبر محمدؐ کی تعریفیں شروع کر دیں اور کہا کہ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ امام مہدی انصاف کے لیئے آئیں گے تو مجھ بے گناہ کو نہ مارو

نیز دوسرے مسائل مذہبی اور اخلاق بیان کیے مگر اس پر بھی ایک نے تلوار کا وار مجھ پر کیا مگر میں ان کے سامنے زمین پر گر پڑنے سے وار بچا گیا۔ اور چونکہ وہ سوار تھے اسلیئے اُن کی تلواریں مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور میرے عجز و انکسار کی باتوں سے کچھ اثر کیا اور یہ کہکر مجھ کو چھوڑ دیا کہ اگر آنحضرتؐ کے نام پر تو پناہ نہ مانگتا تو تو بھی اور کافروں کی طرح نہ بچتا۔ اب میں بہت گھبرا رہا تھا۔ مجھ میں کھڑے رہنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ مگر چونکہ چلنا ضروری تھا اس لیئے ناچار میں وہاں سے آگے روانہ ہوا، تقریباً ایک میل اور چلا ہوں گا کہ بہت سے مسلمان نظر آئے اور وہ سب میری طرف بھاگ کر آئے اور مجھے دیکھکر کہنے لگے کہ یہ فرنگی ہی کافر کو مار ڈالو اور میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم فرنگیوں نے یہ چاہا تھا کہ ہم سب کو کرسٹان کر ڈالیں۔ یہ کہکر مجھے کشاں کشاں ایک گاؤں میں لے گئے جو ایک میل یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ اور میرے بازو پشت سے باندھ دیئے۔ اسکے بعد اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ کریم بخش جاؤ اور اپنی تلوار لے آؤ ہم اس کافر کا سر کاٹیں گے کریم بخش گیا اور جب تک تلوار لاوے گاؤں سے ایک آواز آئی کہ دھاڑ ہے دھاڑ ہے۔ یہ سنکر جتنے مسلمان میرے پاس تھے سب اپنی اپنی فکر کرتے چلے گئے وہ اُدھر گئے اور میں موقع کو غنیمت سمجھکر بے تحاشا بھاگا اس طرح ان بیرحموں سے نجات پائی۔ راستہ پر آکر میں کرنال کی طرف بھاگا۔ مگر راستہ میں پھر مجھے چند آہنگر جو دہلی کے میگزین میں ملازم تھے مل گئے اور مجھ کو گھیر لیا۔ مگر ان میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا اور کہا صاحب خوف نہ کرو اور میرے ساتھ گاؤں میں چلو وہاں آپ کے کھانے پینے کی فکر کروں گا اور اگر تم آگے جاؤگے تو اُن مسلمانوں کے ہاتھ سے جو لوٹنے اور فرنگیوں کے مار ڈالنے کے ارادہ سے باہر گئے ہیں یقیناً مارے جاؤگے چنانچہ ان آہنگروں کے ساتھ میں انکے گاؤں گیا۔ فی الحقیقت اُنہوں نے میری بہت خاطر تواضع کی کسی نے پہننے کو دھوتی دی کسی نے ٹوپی دی کسی نے دودھ پلایا کسی نے روٹی کھانے کو دی۔ غرضکہ میں یہاں سمجھا کہ ابھی زندگی کے کچھ سانس باقی ہیں مگر میں اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ مجھ سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ مجھے انہوں نے چارپائی دی میں اس پر لیٹ گیا۔ مگر مجھے نیند نہ آئی میں نے ان آدمیوں سے

کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں یہ سنکر ان لوگوں نے میری اور بھی خاطر مدارات کی دوسری صبح کو گاؤں کے چودھری نے مجھکو بلوایا تو تمام گاؤں فرنگی ڈاکٹر کے دیکھنے کے لیے اکٹھا ہو گیا۔ ہر چند میں تھکا ماندہ تھا مگر گاؤں والے جو کچھ مجھ سے پوچھتے تھے میں اس کا شافی جواب دیتا تھا خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ میں ان کے مذہب اور رسوم سے پوری واقفیت رکھتا ہوں تو بہت زیادہ میرے زندہ رکھنے کا خیال کرنے لگے چنانچہ وہ علانیہ کہتے تھے کہ ہم حتے المقدور تم کو بچائیں گے میں اس گاؤں میں رہتا تھا کہ میں نے سُنا کہ قریب کے کسی گاؤں میں ڈاکٹر ووڈ صاحب موجود ہیں۔ اس گاؤں کا نام سمیع پور ہے اس گاؤں کے ایک آدمی نے مجھسے آکر کہا کہ میرے گاؤں میں ڈاکٹر ووڈ صاحب نامی ہیں اُنکو کچھ دوائیں مطلوب ہیں۔ تم سب ہندوستانی دوائیں جانتے ہو برائے مہربانی بتاؤ کہ ان کو کیا دیا جائے میں نے ایک نسخہ لکھدیا مگر مجھے معلوم نہیں کہ دوا ان کے پاس پہنچی یا نہیں۔ میں اس گاؤں میں مقیم تھا کہ کرنیل ریلی صاحب کی خبر میرے پاس پہنچی کہ صاحب موصوف برف خانہ کے قریب جو پریڈ کے میدان کے متصل ہے مجروح و خستہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سُنکر میں نے گاؤں والوں سے کہا کہ صاحب بہت بڑے نامی ہیں اگر تم ان کے واسطے کھانا پانی لیجاؤ گے تو سرکار اس خدمت کے عوض میں تمکو بہت سا انعام دیگی۔ چنانچہ گاؤں والے سات روز تک برابر کھانا لے گئے۔ مگر جب میں اس گاؤں سے روانہ ہوا تو کوئی دس روز کے بعد میں نے سُنا کہ کرنیل صاحب موصوف کو کسی سپاہی نے برف خانہ کے پاس قتل کر ڈالا۔

مجھے اس موضع باوری میں قیام پذیر ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ بات عام طور سے مشہور ہو گئی کہ جس قدر انگریز میرٹھ انبالہ اور کلکتہ میں تھے سب قتل ہو گئے اور شاہ دہلی کی حکومت قائم ہو گئی۔ اگر کوئی شخص کسی فرنگی کو اپنے گھر یا گاؤں میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ قتل اور اس کا گاؤں جلا کر ویران و برباد کر دیا جائیگا۔ یہ سنکر گاؤں والے گھبرائے اور مجھکو رات کے وقت نکال کے ایک آموں کے باغ میں چھوڑ آئے وہاں میں شب و روز رہتا تھا۔ رات کو کوئی نہ کوئی گاؤں والا مجھے کھانا پانی دے جاتا تھا ایسے نازک وقت میں جو کچھ مجھ پر گزرتا تھا بیان سے باہر ہے۔ دن بھر آفتاب کی شدت

گرمی میں رہتا تھا۔ اور رات تنہائی میں گزرتی تھی۔ اور اکثر گرد و پیش گیدڑ وغیرہ چلایا کرتے تھے جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی ہیں میں جانتا ہوں یا پھر خدا کو معلوم کہ کیا کیا تکلیفیں میں نے اُٹھائیں۔ پانچ دن کے بعد اس باغ میں سے پھر مجھے گاؤں میں لے گئے اور وہاں بھوسہ کی ایک کوٹھری میں مجھے پوشیدہ کر دیا۔ میں اس تنگ و تاریک کوٹھری میں ۲۴ گھنٹے تک رہا اس میں جس قدر گرمی تھی اور دل گھبراتا تھا اس کا حال زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کونسی مصیبت زیادہ سخت تھی۔ آیا باغ کی تنہائی یا اس بھوسہ کی کوٹھری کی۔

اس کے بعد ایک اور خبر مشہور ہوئی کہ فرنگیوں کی تلاش کے واسطے سوار مقرر ہوئے ہیں کہ وہ ہر ایک گاؤں میں جا کر تلاش کریں۔

اب مصلحت یہ قرار پائی کہ میں ایک جوگی فقیر کے ساتھ اس گاؤں سے کہیں اور چلا جاؤں چنانچہ وہ فقیر میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ تم جہاں کہو گے میں تم کو وہاں پہنچا دوں گا۔ مگر اب تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے میں اس وقت جوگی کے ساتھ روانہ ہو کر مقام برہمہ میں گیا اور تمام رات وہاں بسر کی۔ اس فقیر نے میرے تمام کپڑے اپنے دوست کے گھر میں جا کر رنگے اور مجھکو مالا اور راکھ پہننے کو دیا تاکہ جوگی فقیر اور میری صورت میں کچھ فرق نہ رہے جب فقیر کا سب سامان درست ہو گیا تو میں نے اس جوگی کے ساتھ پھیری شروع کی وہ مجھے کسی گاؤں میں لیگیا کہیں مجھکو کشمیری کہیں ویدانتی اور جوگی فقیر بتلاتا رہا جس گاؤں میں میرا گزر ہوا وہاں کے لوگوں نے کچھ نہ کچھ مجھ سے پوچھا چونکہ میں ان کا جوتش اور نجوم وغیرہ جانتا تھا اس لیئے جو جس نے پوچھا میں نے اس کا شافی جواب دیا اس وجہ سے میری خاطر تواضع اور بھی زیادہ ہونے لگی۔ کوئی پیسہ دیتا تھا۔ کوئی کھانا میرے واسطے لاتا تھا۔

اس گاؤں سے روانہ ہو کر ایک اور گاؤں میں پہنچے وہاں سیوک داس مہنت کبیری فقیر رہتا تھا اس کے پاس گئے میں اس کے مذہب سے بھی واقف تھا کچھ کتابیں جو میں نے پڑھیں تو وہ میرے حال پر بہت مہربان ہو گیا۔ اور اس کے دریافت کرنے پر میں نے اس سے کہا کہ میں کشمیری ہوں مگر اس نے کہا کشمیری بھوری آنکھ والا نہیں ہوتا اس نے کہا کہ تمہاری زبان، اوضاع و اطوار اور کپڑے

سب درست اور ٹھیک ہیں مگر تمہاری آنکھیں تم کو چھپنے نہیں دیتیں تم یقیناً فرنگی ہو میں نے صاف ظاہر کر دیا مگر چونکہ کبیر کے اقوال میں نے اس کے سامنے پڑھے اور قول و قسم دے چکا تھا اس لئے مجھ سے وہ بہت مہربانی سے پیش آیا تھا۔ میں اسی فقیر کے یہاں تھا کہ ایک سپاہی آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس انبالہ کی فوج کے واسطے (جو متصل مقام لانی میں ٹھہری ہوئی ہے) کچھ چٹھیاں ہیں میں یہ وہاں لیجاؤں گا۔ اس نے مجھکو نہیں پہچانا کہ یہ بھی فرنگی ہے مگر میں نے اس سے کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری چٹھی فوج مذکورہ کے کمان افسر کے پاس پہنچا دو اس نے اقرار کیا اور میں نے چٹھی لکھکر دیدی۔ دن بھر اس چٹھی کی وجہ سے انتظار رہا مگر جب اس کا کوئی جواب نہ آیا اور نہ کمک آئی تو اب میں نے مصلحت اس میں دیکھی کہ میرٹھ چلنا چاہیئے جس جوگی فقیر کے ساتھ میں یہاں تک آیا تھا اُس نے میرٹھ چلنے کا وعدہ بھی کیا۔ اس گاؤں کے اکثر آدمی میرے ساتھ ہر چند پور تک گئے۔ جہاں ایک زمیندار فرانسس کوہن صاحب نامی رہتے تھے۔ یہ پہلے تحصیلدار تھے۔ یہ بزرگ آدمی میرے ساتھ از حد مہربانی سے پیش آئے اور مجھکو وہ چٹھیاں دکھلائیں جو کرنیل نیوٹ کپتان سالگیڈ صاحب نے لکھکر دی تھیں کہ "انہوں نے مجھکو بہت آرام پہنچایا اور ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور بحفاظت میرٹھ تک پہنچا دیا۔

یہ چٹھیاں دیکھکر میں نے بھی میرٹھ جانے کی تجویز کی۔ اس عرصہ میں ایک چٹھی میرے نام موضع کیکرا سے اس مضمون کی آئی کہ راجہ جھیند کے سو سوار کپتان میک اندرو کی سرکردگی مقام کیکرا میں تیرے منتظر ہیں اور وہ مجھے مقام رائی جہاں بڑا ڈیرہ ہے پہنچا دینگے چنانچہ کوہن صاحب نے مجھے اپنی گاڑی پر سوار کرا کر کیکرا روانہ کر دیا۔ یہاں تک پہنچ کر کپتان میک اندرو اور لفٹنٹ ہیو صاحب کو دیکھکر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور جان میں جان آئی۔

میں پچیس روز تک دیہاتوں جنگلوں اور ویرانوں میں سرگرداں مارا مارا پھرتا رہا اگر مجھے ہندوستانی زبان نہ آتی ہوتی اور میں اس قدر صفائی اور خوبی کیساتھ نہ بول سکتا تو میں بھی کبھی کا قتل کر دیا جاتا۔ ویں ہندوستانی زبان ایسی ہی صاف بولتا ہوں جیسے انگریزی۔ میرا اپنی جان بری کو ایک اعجاز

اور فضلِ الٰہی کا نتیجہ سمجھتا ہوں مگر جو تکلیف اور مصیبتیں میں نے برداشت کی ہیں اُن کا بیان مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

پانچواں فسانہ

ایک گروہ جس میں بہت سے افسر اور میمیں تھیں دہلی سے بھاگنے اور میرٹھ جانے کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔ پہلے یہ ارادہ تھا کہ پہاڑی پر جو برج ہے اس میں قلعہ بند ہو کر مفسدین کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر اب یہ بات بیکار سی نظر آئی کیونکہ کوئی فائدہ نہ تھا اس لیئے بھاگنے کی رائے ٹھ پائی۔ جب روانگی شروع ہوئی تو ۳۸ اور ۷۴ رجمنٹ کے سپاہی بھی روانہ ہو گئے۔ تھوڑے سے سپاہی افسروں کے پاس جھنڈے کے قریب باقی رہ گئے۔ میموں کی گاڑیاں کرنال روانہ ہوئیں۔ افسروں کو سپاہیوں نے یہ صلاح دی کہ فوراً فرار ہو جانا چاہیئے بلکہ جبراً ان کو وہاں سے بھگا دیا۔ اس لیئے کہ اس مقام پر بھی شہر سے مفسد آنے والے تھے یہ شام کا وقت تھا۔ تاریکی زمین پر پھیل رہی تھی کہ چاروں طرف سے بندوقوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں اور چھاؤنی کے اکثر بنگلوں میں آگ لگ گئی جسکی روشنی دور دور تک پہنچ رہی تھی اب سوائے بھاگنے کے کوئی تدبیر بچنے کی باقی نہ رہی جو افسر وہاں باقی رہ گئے تھے اُنہوں نے بھی دوبارہ انتظام قائم کرنا بے سود اور فضول سمجھکر جگہ چھوڑ دی کیونکہ جو لمحہ ان پر گزرتا تھا زیادہ خوفناک ہوتا جاتا تھا غرضکہ وہاں سے باحالتِ زار بھاگے اور سرگرداں رات بھر جنگلوں میں پھرتے رہے کبھی تھک کر زمین پر لیٹ جاتے تھے کہ شاید نیند آجائے کبھی جان کے خوف سے اُٹھ بیٹھتے تھے۔ غرضکہ بہزار خرابی رات کاٹی۔ صبح کو مفسدین سپاہی ان کے گرد و پیش منڈلاتے نظر آئے مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ جگہ معلوم نہ ہوئی جہاں یہ سب صاحب لوگ تھے۔ جب کوئی نظر نہ آیا تو ناچار سپاہی تلاش کی غرض سے آگے بڑھے۔ یہ افسر لوگ جہاں ٹھہرے تھے اس کے قرب و جوار کے لوگوں کے بہت شکرگزار ہیں کیونکہ گاؤں والوں نے ان کی بہت خدمت کی تھی اور بہت کچھ آرام پہنچایا تھا۔ کسی نے کھانا کھلایا کسی نے اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا۔ رات بھر جو صاحب جدا رہے تھے وہ آملے اور جو رات بھر ساتھ رہے تھے صبح کو جدا ہو گئے۔ گاؤں والوں نے ان انگریزوں کو جنگی

حفاظت کا اُنہوں نے ذمہ لیا تھا دریائے جمنا کے ایک نالے کو عبور کرا کر جنگل میں ایک محفوظ مقام میں چھپا دیا اور تیسرے پہر آ کر اُن کو خبر دی کہ ایک گروہ انگریزوں کا جس میں میمیں بھی ہیں قریب ہی کسی جگہ مقیم ہے۔ یہ گروہ وہ تھا جو کشمیری دروازہ سے بھاگا تھا۔ اور جب وہاں امن نظر نہ آیا تو میموں کو توپ کی بیٹی پر سوار کرا کر چھاؤنی بھیجا تھا اور مفسدین نے ان کو راستے میں لوٹ لیا تھا بلکہ گولیاں بھی ان پر ماری تھیں اسکے بعد یہ لوگ خندق میں اتر کر دوسری جانب سے چڑھکر فرار ہو گئے تھے انہی میں سے ایک میم کے شانے پر گولی کا زخم بھی لگا تھا۔ غرضکہ وہاں سے بھاگ کر تمام رات یہ گروہ بھی حیران و سرگردان رہا۔ کئی دفعہ سپاہیوں کے ہاتھ سے بمشکل تمام بچے بلکہ بعض وقت تو مفسد سپاہی ان لوگوں کی تلاش میں ایک گولی کی زد تک پہنچ گئے مگر خدا کی قدرت کہ ان کے پنجۂ ظلم میں یہ گرفتار نہیں ہوئے۔

غرضکہ دونوں گروہ یکجا ہو کر چلے اور ایک دوسرے کی ملاقات سے کچھ تسکین ہوئی اور چونکہ اب آدمی زیادہ ہو گئے تھے اس لیے اپنی طاقت پر اطمینان کر کے آگے روانہ ہوئے وہ دو یا تین میل تک دریائے جمن کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ اس کے بعد ایک نالے پر پہنچے جسکو عبور کرنا بہت دشوار تھا لیکن وہ گردن تک گہرا تھا اور اس زور سے بہتا تھا کہ پاؤں اُکھڑے جاتے تھے چنانچہ تھوڑی دور تک وہ سب بہتے ہوئے چلے گئے۔ آخر بمشکل قدم جما کر دوسرے کنارے تک پہنچے۔

اب شام ہو گئی تھی اور نالے میں گھسنے کی وجہ سے سخت سردی لگ رہی تھی دوسری صبح کو پھر گاؤں والے ان کے دوست بنے اور ایک مقام پر جہاں درخت بہت تھے جا کر ٹھہرایا مگر تھوڑی دیر کے بعد ان سے کہا کہ یہاں رہنا مناسب نہیں کیونکہ مفسد سواروں کے گروہ ان کے درپئے ہیں اور تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہوئے تو گوجروں کے ایک گروہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ جنکے فاسد ارادے بہت جلد ظاہر ہو گئے۔ چونکہ ان لوگوں کی بندوقیں وغیرہ پانی سے تر ہو گئیں تھیں اسلئے گوجروں کا مقابلہ نہ ہو سکا اور ناممکن و بے سود معلوم ہوا۔ گوجروں نے سخت بیہودگیاں کیں اور نہایت سختی کے ساتھ تمام ہتھیار اور دوسرا اسباب چھینکر بلکہ پہننے کے کپڑے تک اُتروا کر لیے ہو گئے۔ یہ گوجر کمبخت ان کی جان بھی نہ چھوڑتے مگر ایک فقیر نے سمجھا بجھا کر ان کی جان بچائی اب

ان کے پاس ستر چھپانے کے سوا کوئی کپڑا جسم پر باقی نہ تھا۔ اسی حالت میں آفتاب کی گرمی میں چلتے پہنچتے شام کو ایک گاؤں میں پہنچے یہ گاؤں برہمنوں کا تھا، اس میں ایک فقیر کے تکیہ پر جا پڑے اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے، یہاں اپنے محافظوں کے ہاتھ سے بہت آرام پایا ان لوگوں نے بے انتہا خاطر مدارات کی، یہاں تک کہ ایک جراح بھی ان کے زخموں کے صاف کرنے کے لیئے پہنچایا۔ اور جو دوا گاؤں میں مل سکتی تھی سب مہیا کی۔ اس گاؤں سے ایک دوسرے گاؤں میں اسکے زمیندار کی حسب خواہش چلے گئے۔ یہ زمیندار نسلاً جرمن تھا۔ وہاں ان لوگوں کو یہاں سے زیادہ آرام ملا رہنے کے لیئے مکان اور کھانے کپڑے کا اچھی طرح سے انتظام کردیا۔ اس رات کو زیادہ اطمینان ہوا کیونکہ میرٹھ سے سواروں کا ایک رسالہ جو چٹھی بھیجکر انہوں نے طلب کیا تھا ان کے پاس آگیا۔ زمیندار نے سواریاں کردیں اور آٹھویں روز یہ سب لوگ اپنی اصلی صورتوں میں میرٹھ پہنچ گئے۔

چھٹا فسانہ

ڈاکٹر بالفور صاحب دہلی سے اپنے بھاگنے کا حال یوں بیان کرتے ہیں:۔

جب یہ طے ہوگیا کہ شہر دہلی اب چھوڑ دینا چاہیئے تو لیباس صاحب نے اپنی بگھی مجھکو دی میں نے اپنی بہن مس اسمتھ کو اپنے پاس بٹھایا اور راستے سے لفٹنٹ طامس انجینیر اور میم ڈانش مع فریزر صاحب کے بچے کے جو اس وقت موصوف کی گود میں تھا سب کو بگھی میں بٹھا کر کرنال کی طرف روانہ ہوگئے لفٹنٹ طامس صاحب نے کہا بہتر یہ ہوگا کہ نہر کے پار ہوکر اس تھانہ پر چلیں جو راستے میں ہے وہاں پہنچکر جدھر کی صلاح ہوگی روانہ ہونگے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور چھوٹے تھانہ تک پہنچے۔ دوسرے روز صبح کو ہم ابھی چلنے کی صلاح ہی کررہے تھے کہ موضع ادہر کا زمیندار جو قوم سے جاٹ تھا ہمارے پاس آیا اور کہا کہ ہم نے دہلی کے قتل و فساد کا حال سنا ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو امن و حفاظت میں ہم تمہیں رکھ سکتے ہیں۔ میں نے سب کو صلاح دی کہ اسکو قبول کرنا چاہیئے چنانچہ رات کے وقت ہم سب اسکے ساتھ گاؤں میں گئے اور وہاں ہمکو چار یا پانچ روز

تک رکھا اور بے حد خاطر داری اور تواضع کی۔ آخر جب کسی فوج کی آمد کی خبر سنی تو اُنہوں نے ہمکو مشورہ دیا کہ نہر کے کنارے کنارے کرنال چلنا مناسب ہے، چنانچہ اُنہوں نے ہماری رہنمائی کی اور گاؤں کے مفسدوں سے ہماری حفاظت کا بندوبست کیا اور ہر طرح خاطر داری میں مشغول رہے اور اس قدر ہم لوگوں کی خدمت کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ ہم اسکا عوض نہ دے سکیں گے۔ غرضکہ ہم امن وامان اور حفاظت کے ساتھ کرنال پہنچ گئے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر سُنکر بہت خوش ہونگے کہ یہ حصۂ ملک جس میں سے ہم گزر رہے تھے۔ اس میں زیادہ آدمی ہماری سرکار کے خیرخواہ اور وفادار رہے اور ایسے سخت بلوہ میں بھی وفادار رہے صرف گوجروں کی قوم البتہ سرکشی اور فساد کرتی تھی جو بڑی سڑک کے متصل رہتے سہتے ہیں۔

ایک میم صاحبہ جن کا ذکر ڈاکٹر بالفور صاحب کی چٹھی میں آچکا ہے اپنے بچ جانے کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

ساتواں فسانہ

۱۱ رمئی دوشنبہ کے دن صبح کے وقت میں ایک دوست کی ملاقات کو جو میگزین کے پاس رہتے تھے گئی جب اول اول یہ خبر سُنی کہ مفسدوں کا گروہ میرٹھ سے آتا ہے تو میں اور دوسری میم صاحبوں کو یہ صلاح دی گئی کہ ہم سب میگزین میں جاکر پناہ گیر ہو جائیں گے۔ مگر میں وہاں نہ گئی اور اپنی والدہ کے گھر میں جو قریب ہی تھا چلی گئی اور ان سے اس فساد کا ماجرا بیان کیا اور نوکروں سے کہا کہ اس بات کی ٹھیک ٹھیک خبر لاؤ مگر اس وقت ان سب نے یہ کہا کہ یہاں کچھ اندیشہ نہیں اور یہاں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوسکتی۔ کیونکہ دہلی کی حفاظت کا انتظام ہوشیاری سے کیا جاتا ہے اس عرصہ میں اور بھی کئی میم صاحبہ آکر جمع ہوگئیں۔ قریب نصف گھنٹہ کے گزرا ہوگا کہ نوکروں نے شور وغل مچایا کہ مفسد آ گئے اور مکانات لوٹ رہے ہیں اور گرجا گھر تک پہنچ گئے ہیں۔ چونکہ گرجا گھر ہماری کوٹھی کے احاطہ سے قریب تھا اب بچ کر بھاگنا بھی ناممکن

ہوگیا ہمارے نوکروں نے ہم کو صلاح دی کہ ملازموں کے مکان میں جاکر چھپ رہیں چنانچہ ہم سب ایک مکان میں جاکر چھپ گئے ہمارے چھپنے کے تھوڑی دیر بعد دو سو سوار احاطہ کے اندر آگئے اور اس مکان کے قریب آکر جس میں ہم سب چھپی ہوئی تھیں کھڑے ہوئے اور نوکروں سے دریافت کیا کہ صاحب لوگ اور میم صاحبان کہاں ہیں۔ تم اپنی جان کا خوف نہ کرو ہم تم میں کسی کو نہ ماریں گے لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ سب عیسائیوں کو جو دہلی میں ہیں قتل کر ڈالیں۔ نوکروں نے جواب دیا کہ سب بھاگ گئے ہم کو معلوم نہیں کہ کہاں گئے۔ اگر تم کو خیال ہو کہ بنگلہ میں ہونگے تو تم خود جاکر تلاش کرلو۔ اس جواب سے کچھ ان کو اطمینان ہوگیا اور وہ وہاں سے باہر جاکر انگریزوں کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ۳۸ رجمنٹ کے چھ سپاہی اور آگئے۔ ان کو وہ مکان جہاں ہم سب مخفی تھے معلوم ہوگیا۔ وہ خوب ہنسے اور قہقہہ اُڑانے لگے۔ بندوقیں دکھلاکر کہا ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ ہم نے بہت منت و خوشامد سے کہا کہ ہمیں مت مارو اس پر اُنہوں نے کہا کہ اچھا باہر آؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔ پھر دیکھنا کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم باہر نکلے اور ان کے ساتھ ہولیے وہ سب ہم کو گارد میں جہاں وہ رہتے تھے لے گئے اور افسروں کی لاشیں دکھاکر ہنسکر کہنے لگے کہ دیکھو یہ سب اس واسطے مارے گئے ہیں کہ کمانڈر انچیف صاحب نے ہمارے مذہب کے خراب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

اس کے بعد افسروں نے دیکھا کہ ہم نیچے سپاہیوں کے پاس کھڑے ہوئے ہیں تو وہ جلدی سے دوڑکر ہمارے پاس آگئے اور سپاہیوں کو ہٹاکر ہم سے کہا اوپر جاؤ ہم سب وہاں گئے۔ وہاں پہنچکر ہم نے دیکھا کہ اکثر افسر موجود ہیں۔ وہاں ہم لوگ دس بجے تک بھوک پیاس کی سخت تکلیف میں رہے۔

میجر ایبٹ صاحب نے برج جھنڈہ والے پر کہلا بھیجا کہ توپ کی بیٹریاں بھیجدو تاکہ ہم میم صاحبوں کو سوار کرکے اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں برج مذکور تک بھیجادیں۔ اسلئے کہ یہاں کا

کچھ بھروسہ نہیں اور برج مذکور اس سے زیادہ محفوظ مقام ہے۔ تھوڑی دیر میں بہلیاں مع توپوں کے آئیں ان کے ساتھ ۳۸ رجمنٹ کے کچھ سپاہی ساتھ تھے میجر ایبٹ صاحب نے بھی ہم سب کو ان پر سوار کرا کے آپ خود اپنی کمپنی لیکر بڑھے اور حکم دیا کہ بہلیاں ان کے ساتھ آویں۔ ۳۸ رجمنٹ کے سپاہی اس وقت تک خاموش کھڑے رہے جب تک کہ میجر صاحب کشمیری دروازہ سے باہر نہیں چلے گئے مگر جب وہ باہر چلے گئے تو دروازہ فوراً بند کر لیا اور ہم سے کہا کہ اگر تم ابھی اس پر سے نہیں اترتیں تو ہم تم سب کو مار ڈالیں گے یہ سنتے ہی ہم بہلیوں پر سے اتر آئے مگر میری بہن نہ اتر سکیں کیونکہ ان کی گود میں بچہ تھا اس نے سپاہیوں سے کہا ذرا صبر کرو میں لڑکا کسی کو دیکر اترتی ہوں مگر جب انہوں نے دوبارہ اترنے کو کہا تو اس نے لڑکے کو میری گود میں ڈالدیا۔ اور آپ جھپٹ کو دپڑیں۔

اس عرصہ میں ۴۵ رجمنٹ کا ایک ڈرامبر آگیا اور میرا بازو پکڑ کر کہا کہ اگر زندگی چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو اور زبردستی ایک کھڑکی کے راستہ سے مجھے صدر بازار لے گیا راستہ میں میں نے بندوقوں کی آوازیں سنیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سپاہی ان افسروں کو جو بھاگ جانا چاہتے ہیں تعاقب کر رہے ہیں اور مار رہے ہیں چند افسر مقتول بھی ہو چکے ہیں۔

میرا ہمراہی بھی مجھے لئے ان بریڈ صاحب کے بنگلہ پر لے گیا اور مجھ سے کہا کہ یہاں ایک اور میم صاحبہ ہیں وہ تمہاری خبر داری رکھیں گی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھی جھنڈہ والے برج پر چلی گئیں۔ تب میں نے کہا کہ مجھے بھی وہیں پہنچا دو۔ اکثر سپاہی مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے مگر ایک نے مجھ سے کہا چلو میں تم کو بحفاظت پہنچا دوں۔ چنانچہ اس نے اپنا قول پورا کیا۔

میں برج میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ ٹھہری ہونگی کہ بھاگنے کا ارادہ مصمم ہو گیا۔ تمام سپاہی مفسد ہو گئے تھے۔ اور ان میں سے کوئی اپنے افسر کا حکم نہ مانتا تھا۔ چنانچہ جس کے جدھر سینگ سمائے چلا گیا۔ ڈاکٹر بالفور صاحب نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے اپنی گاڑی پر جگہ دی جس قدر جلد ممکن ہوا ہم سڑک چھوڑ کر بھاگے اور نہر کے کنارے ۲۵ میل تک بھاگا بھاگ چلے گئے۔ ۲۵ میل پر ایک

مقام کیا اور ایک گھنٹہ تک آرام کر کے پھر روانہ ہوئے اور ایک چوکی پر پہنچے جو اس مقام سے ۵ میل پر تھی جس قدر رات باقی رہ گئی تھی میدان میں کاٹی۔ اس مقام سے قریب ایک گاؤں تھا۔ یہاں سے نہر کا ایک ٹھیکہ دار آیا اور کہا کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

صبح کو اس نے ہم لوگوں کو دور لیجا کر ایک باغ میں رکھا اور کہا دن کو یہاں رہا کرو اور رات کو غارتگروں کے خوف سے اپنے مکان میں لیجاتا تھا۔ وہاں ہم کو ٹھٹے پہ رات بسر کرتے تھے۔ چھ روز اسی طرح ہم وہاں رہے۔ چھ دن کے بعد اس کے ہمسایہ دیہاتیوں نے اس سے کہا کہ انہوں نے تجھ کو بہت روپیہ دیا ہوگا ورنہ تو کیوں ان کی اس قدر حفاظت کرتا ہے پس اگر اس میں سے ہمکو بھی حصہ دے تو بہتر ہے ورنہ رات کو آکر ہم ان سب کو مار ڈالیں گے۔ ہمارے محافظ نے یہ حال سنکر ہم سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تم سیدھی کرنال چلی جاؤ۔ سننے میں آیا ہے کہ وہاں کچھ سرکاری فوج آگئی ہے چنانچہ راستہ کی حفاظت کی غرض سے وہ کرنال تک ہمارے ساتھ گیا۔ کمانڈر انچیف صاحب نے اسکی محنت کے عوض اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جو لڑکا میں گود میں لائی تھی وہ دو روز میں مر گیا۔ یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ میری والدہ بھی بوجہ سختی اور مشقت کے جانبر نہ ہو سکی اور مر گئی۔

وہ گروہ جس کو ہم نے پیچھے چھوڑا تھا جس میں میری ہمشیرہ تھی اس کے تعاقب میں مفسد آگئے تھے مگر وہ خدا کے فضل سے اس طرح بچ گئے کہ کبھی جھاڑیوں میں چھپتے تھے کبھی ان جھاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے لیٹے لیٹے چلتے تھے۔ کانٹے جو بدن میں چبھ گئے تھے ان سے خون جاری تھا۔

آٹھواں فسانہ

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب کی میم نے بھی اپنی سختیوں اور مصیبتوں کا حال مشتہر کیا ہے جو دوسر صاحبوں کے ساتھ دہلی سے کرنال تک کیا گئے میں انہیں جھیلنی پڑی تھیں۔

ڈاکٹر ڈیوڈ صاحب زخمی ہو گئے تو میں پیادہ پاان سے ملنے کو دوڑی قبل اسکے میں نے ان سے کہلا بھیجا تھا کہ پہاڑی کے برج پر جو ایک محفوظ مقام ہے چلے آویں ٹیل صاحب کی میم جو

اس مصیبت میں میری شریک تھی ایک دوست کی مہربانی سے ان کو بگھی پر جگہ ملی میں بھی انکے ساتھ سوار ہوگئی جب میں ڈیوڈ صاحب کے پاس پہنچی تو وہاں ایک ڈولی ہسپتال کی رکھی ہوئی تھی میں نے اس خیال سے کہ ڈولی میں صاحب کو آرام ملے گا اور وہ اچھی طرح سفر کرسکیں گے ڈولی مذکور میں ان کو سوار کراکر اپنے ساتھ لیا۔ تھوڑی دور ہم گئے ہونگے کہ کہاروں نے جانے سے انکار کردیا یہاں سے ان کو پالکی گاڑی میں جو ان کے ساتھ آئی تھی سوار کراکر کرنال روانہ کیا اور میجر پٹرسن اور پیل صاحب کو یہاں سے رخصت کیا۔ اب ہم سب پیچھے پریٹ سے گزرے راستہ میں تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب کی سواری بدلنی پڑی اور اس میں دیر لگ گئی۔ اس وجہ سے دوسری عورتوں اور انگریزوں سے ہم پیچھے رہ گئے اور ان سب کے بعد یہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ ہم صرف دس میل طے کرنے پائے تھے کہ دیہاتی آگئے اور ہم کو روکنا چاہا۔ اتنے میں ہمارے سائیس نے ہم سے کہا کہ اگر آپ آگے جائیں گی تو ماری جائینگی کیونکہ دیہاتی راستہ میں آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں یہاں رہنا ہم کو مشکل نظر آتی تھی کیونکہ ہمارے گھوڑے اُنہوں نے پکڑ لیے تھے اور ننگی تلواریں سائیس کے سر پر تنی ہوئی تھیں اور آگے کا بھی خوف تھا۔ القصہ ان سے تو کسی طرح بچ گئے مگر اب ارادہ کیا کہ کمپنی باغ کو واپس چلیں اور وہاں دوسرے روز تک پوشیدہ رہیں چنانچہ یہی کیا اور مالیوں نے ہم سے اقرار کرلیا کہ ہم تم کو پناہ دینگے بہت دیر کے بعد ایک گروہ لاٹھیاں لیکر ہمارے پاس آیا اور کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے دیدو ان کا مقابلہ بے فائدہ تھا۔ کیونکہ ہم صرف دو بیکس عورتیں اور وہ پورا گروہ کا گروہ وحشیوں کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو ایسا شدید زخم لگا تھا کہ وہ اُٹھنا تو درکنار بات بھی نہ کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کے پاس ایک ایک صندوق زیور اور جواہرات کا تھا اسکے علاوہ میرے پاس سو روپئے نقد بھی تھے جسکو بچانے کے خیال سے ساتھ لائے تھے اب یہ خیال فضول تھا اُنہوں نے سب چھین لیا اسکے علاوہ سیپل صاحب کی میم کا گون ٹوپی پہننے کے کپڑے اور دو خون آلود چادریں بھی لے لیں بگھی بھی توڑ ڈالی اور گھوڑوں پر سوار ہوکر اپنی راہ لی۔ ان کے بعد بھی کئی مرتبہ لٹیرے آئے اور اُس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک اچھی طرح سے یہ نہ دیکھ لیا کہ ہم بالکل مفلس اور

فقیر ہو گئے ہیں۔

اب ہمارے پاس ایک حبہ باقی نہ رہا۔ رات کو قریب ایک بجے میں اور پیل صاحب کی میم ڈاکٹر صاحب کو ایک درخت کے نیچے چھوڑ کر کسی گاؤں کی تلاش میں باہر نکلی بڑی کوشش اور ترغیب کے بعد ایک زمیندار ہمکو اپنے ساتھ لے گیا۔ رہنے کو مکان اور کھانے کو دودھ روٹی دی اس روز شام کو ہم کرنال روانہ ہو گئے۔ اسی طرح رات ہی رات میں سات سات میل ہم بدقت طے کرتے تھے کیونکہ ایک زخمی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ گاؤں گاؤں سے روٹی مانگ کر کھاتے تھے اور زمین پر سو رہتے تھے بعض مقامات پر لوگ مہربانی سے پیش آتے تھے مگر اکثر مقاموں پر لوگ طعنہ دیتے تھے اور بُری طرح سے پیش آتے تھے یہاں تک کہ سخت دھوپ کے وقت کوئی سایہ میں بھی ہم کو بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اسی طرح ہم نے چھ دن بہزار مصیبت کاٹے اس میدان کو تو کسی درخت یا پُل کے نیچے دھوپ کے وقت رہتے تھے۔ ہر وقت جان کا خوف لگا رہتا تھا۔ پانی بھی نہ ملتا تھا مگر اس خبر سے ایک گونہ تشفی ہوئی تھی کہ بادشاہ کے سپاہیوں کے ہاتھ سے شاید بچ جائینگے۔

چھٹے دن مقام بالگڈھ میں وارد ہوئے یہ گاؤں رانی منگلا دیبی کا ہے یہاں رانی صاحبہ نے ہماری بہت خاطر مدارات کی اور کہا کہ ہم تمہاری حفاظت کرینگے مگر دوسرے دن یہ امیدیں برباد ہو گئیں کیونکہ رانی کے آدمی ہمارے ساتھ یہ مہربانی دیکھکر ناراض ہو گئے اور انہوں نے رانی کو دھمکایا کہ اگر تم ان کو یہاں سے نہ روانہ کرو گی تو ہم تمہارا گاؤں لوٹ لیں گے۔ یہ بات ہمارے واسطے بے انتہا افسوسناک اور رنج دہ تھی مگر کوئی علاج نہ تھا۔ ناچار یہ تجویز ہوئی کہ رات کو یہاں سے روانہ ہونا چاہیئے۔ اس عرصہ میں اطمینان کی ایک صورت اور پیدا ہوئی یعنی اتفاقاً میجر پیٹرسن صاحب زرد اور پیروں میں چھالے پڑے ہوئے لنگی باندھے ہوئے آپہنچے میجر موصوف تمام راستہ ہمارا پتہ لگاتے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ ملاقات اگرچہ بہت غنیمت تھی مگر رنج بھی زیادہ ہوا کہ ہم سے ذی رتبہ آدمیوں کے پاس کپڑے تک پہننے کو نہ رہے اور ہندوستانی کپڑوں میں بسر کریں۔

آفتاب ڈوبنے کے بعد ہم گاؤں سے نکال لئے گئے اور سڑک کا راستہ چھوڑ کر دو تین گاؤں

طے کیے۔ اسی فکر و تردد میں ہم اس قدر تھک گئے تھے کہ آخر منت و خوشامد ایک زمیندار سے کہا کہ ہمکو کہیں بیٹھنے دو اور کچھ کھانے کو لادو کل یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس زمیندار نے ہماری بڑی خاطر کی۔ کھانا بھی با فراط لایا اور سونے کے لیئے چار پائیاں بھی دیں۔ دوسرے روز صبح چار بجے ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ایک گاؤں والے نے ایک چارپائی اور کہار میرے شوہر کے واسطے دئیے۔ میری جوتی گھس گئی تھی میجر پیٹرسن کی جوتی بھی پھٹ پھٹا کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اس حالت میں گرم ریت اور خاردار میدانوں میں ننگے پاؤں چلتی تھی۔ الغرض ہم تھانہ کولی کے قریب پہنچے۔ یہاں ہمارے ساتھ نہایت مہربانی اور رعایت کے ساتھ لوگ پیش آئے۔ ایک آدمی نے ہمارے حال پر رحم کھا کر ہمارے واسطے نہایت مزیدار کڑھی پکائی۔ دوسری صبح کو ہماری سواری کے واسطے دو گھوڑے ایک خچر اور ایک گدھا تحصیل کسولی تک جانے کے لیئے دیا۔ وہاں پہنچکر ہمیں اطمینان ہوا اور ہم سمجھے کہ اب ہم محفوظ ہیں۔ دوسرے روز کرنال سے ہمارے واسطے شکرم آئی اور مہاراجہ پٹیالہ کے سپاہی حفاظت کے واسطے ساتھ آئے۔ ہم سب وہاں سے روانہ ہو کر بتاریخ ۲ مئی کرنال پہنچے۔ یہاں پہنچکر ہم سیدرگی صاحب کے مکان پر گئے اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے ہم فقیروں اور بناگیروں کیساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا جو ایک حقیقی اور اصلی عیسائی کے لیئے لازم ہے۔ ہمیں انہوں نے اس قدر آرام پہنچایا کہ ان کا احسان ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ ایک ہفتہ سے زائد ہم کرنال میں ٹھہرے رہے۔ اسکے بعد پھر سفر شروع کیا۔ کرنال سے انبالہ گئے اور انبالہ سے ڈاک گاڑی پر سوار ہو کر کالکا پہنچے راستہ میں اکثر گاڑی سے اتر کر خود گرم ریت میں گاڑی کھینچنی پڑتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے زخم کو بھی ہم نے خود گیارہ دن تک دھویا اور باندھا۔ زخم اس قدر خراب اور شدید آیا تھا کہ گولی سے دانتوں کے جبڑے اڑ گئے تھے۔ گیارہ روز کے بعد ایک ڈاکٹر صاحب نے ان کا زخم ملاحظہ فرمایا تھا۔

ہماری مفروری نہایت خراب تھی۔ ہم نے اس بھاگڑ میں بڑی سختیاں جھیلیں اور نہایت سخت کربہ بلکہ آدمیت سے خارج صدمہ سہنے پڑے جس قدر سامان تھا سب لٹ گیا۔ ہمارے اور ہیل صاحب کی میم کے پاس از قسم جواہرات بہت سی بیش بہا چیزیں تھیں۔ کچھ ہم نے خود خریدی تھیں

کچھ دوستوں نے تحفۃً نذر کیئے تھے لیکن ان نالایق غارتگروں نے کچھ بھی خیال نہ کیا اور سب لوٹ لے گئے ہم نے پانی کی طرف سے بھی سخت مصیبت اٹھائی پیدل چلنے کی وجہ سے ہمیں پیاس بہت لگتی تھی اور جب پانی ہمارے پاس کا ختم ہو جاتا تھا تو ناچار جھیلوں اور تالابوں کا میلا اور کیڑے پڑا ہوا پینا پڑتا تھا۔ کنوؤں سے کھینچکر پیتے تھے اگرچہ کھاری ہوتا تھا مگر مجبوراً پینا پڑتا تھا۔ یہاں میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتی ہوں کہ کرنیل ایلی صاحب کی ڈولی ہم سے آگے جاتی تھی لیکن وہ کہاں رکھدی گئی ہمیں معلوم نہیں ہماری قدرت سے باہر تھا ورنہ ہم کوشش کرکے ان کو اپنے ساتھ لے لیتے اور تنہا ان کو قتل ہونے کو نہ چھوڑتے۔

نواں فسانہ

موہن لال جس نے کابل میں سرکاری خدمت کی تھی دہلی میں موجود تھا جب یہاں فساد شروع ہوا تو قتل سے بچکر وہ ولی دادخاں کے یہاں پناہ گیر ہوا مگر ولی دادخاں نے اسکو بالاگڑھ کے قلعہ میں ۴۲ دن تک قید رکھا اسکے بعد وہ وہاں سے بھاگ کر اگست کے پہلے ہفتہ میں میرٹھ پہنچا وہ اپنا حال ایک خط میں جو ہاجسن صاحب کے بیٹے کے نام لکھا تھا اس طرح بیان کرتا ہے۔

ہاجسن صاحب سینچر کے روز ۱۰ مئی کو صبح کے وقت دہلی پہنچ گئے ہم دونوں ملکر بہت خوش ہوئے اور ان چیزوں کے روانہ کرنے کی تدبیر کی جو ہم نے راجہ صاحب کے واسطے خریدی تھیں۔ شام کے وقت میں ان کو اپنی گاڑی میں سوار کرا کر شہر کی عالیشان عمارات دکھلانے کی غرض سے لے گیا، رات ہم نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کی۔ تمہاری اور ہنری کی تعلیم کا اکثر ذکر رہا کہ باوجود صغیر سنی کے کس خوبی سے اپنے دفتر کا کام انجام دیتا ہے۔

۱۱ مئی کی منحوس صبح نمودار ہوئی، اتوار کی صبح تک ہر طرح شہر میں امن وامان تھا۔ فساد کی کوئی علامت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ کلکتے کے اخبارات بھی ہمارے پاس آگئے تھے کہ یکایک یہ خبر وحشت اثر سنکر یاس کی حالت طاری ہوئی کہ میرٹھ کے مفسد یہاں بھی آپہنچے اور

نہایت بیرحمی سے قتل و غارت اور عیسائیوں کے مکانات جلانا شروع کر دیئے ہیں۔ سواروں کے بعد پیادہ سپاہ بھی آگئی اور دہلی کی فوج میں شامل ہو کر ان کے ساتھ قتل و خونریزی کرنے لگی جب وہ دن یاد آتا ہے تو میرے جسم پہ لرزہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ قریب دو بجے دن کے چار سپاہی مع بندوقوں کے میرے دروازہ کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ گو دروازہ بند تھا، مگر چونکہ ان کو شہر کے بدمعاشوں نے ترغیب دی تھی اس لیئے انہوں نے بدزبانی شروع کر دی اور کہا کہ مکان ایک عیسائی کا ہے۔ کل یہاں ایک فرنگی آکر ٹھہرا ہے۔ ہم مالک مکان اور نووارد فرنگی دونوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ ہمارے نوکروں اور محلہ والوں نے کہا کہ یہ گھر کسی عیسائی کا نہیں اور نہ اس یہاں کوئی فرنگی ٹھہرا ہے۔ بہت سی عاجزی اور خوشامد اور کچھ روپیہ دینے کے بعد اس وقت تو وہ شریر چلے گئے۔

جس وقت تک یہ تکرار ہوتی رہی اور وہ سپاہی چلے نہ گئے تمہارے والد و میں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جس کے اندر جلانے کی لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں چھپے بیٹھے رہے رات کو ہاپس صاحب کو تمہارے چچا کے گھر میں اس خیال سے بھجوا دیا کہ اگر وہ سپاہی دوبارہ آئیں اور مکان کے اندر زبردستی گھس آئیں تو صاحب کو نہ پائیں۔

۱۲ مئی کو شہر کے بدمعاشوں سے مفسدین نے میرے تعلق سرکاری کا حال سنکر پھر حملہ کیا۔ پہلے قریب و جوار کی دو دکانوں کو لوٹا پھر زبردستی میرے گھر میں گھس آئے سب مال اسباب لوٹ لیا اور مجھکو گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ تو انگلستان جانے کی وجہ سے ہندو نہیں رہا۔ اور اپنی لڑکی کو ولایت تعلیم کے لیئے بھیجنے اور ہاپس صاحب کی رشتہ داری کی وجہ سے تو مسلمان بھی نہیں۔ اس کے علاوہ تو گورنمنٹ انگلشیہ کا جاسوس بھی ہے۔ اسی واسطے تجھے ایک بڑی مقدار میں پنشن ملتی ہے اس لیئے ہم تجھے مار ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ ایک نے بندوق کی نال میرے سینہ پر رکھدی مگر عورتوں کی گریہ و زاری اور عاجزی و خوشامد نیز ہندو و مسلمان ہمسایوں کے سمجھانے بجھانے سے کو توال شہر نے جو اس وقت اتفاقاً ادھر سے گزر رہا تھا میرے قتل کو

ملتوی کر دیا۔ اور کہا کہ تحقیقات کرنے کے بعد ماریں گے۔

اس واقعہ کے بعد میں روپوش ہو گیا کبھی کہیں رہتا کبھی کہیں۔ حاجن صاحب بھی محلے کے گھر سے میری خالہ کے مکان میں چلے گئے۔ اور وہاں چند روز رہے۔ اب لوگوں کو شک ہوا کہ حاجن صاحب وہاں روپوش ہیں۔ چنانچہ حاجن صاحب اور ہم سب کی صلاح ہوئی کہ قسمت آزمائی کیجئے اور یہاں سے بھاگ چلنا اس سے بہتر ہے کہ گھر میں گرفتار ہو کر قتل کر دئیے جائیں۔

چنانچہ رات کے آٹھ بجے لباس تبدیل کر کے صاحب اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ لاہوری دروازہ سے کسی طرح باہر ہو کر کرنال روانہ ہو جائیں۔ مگر ان کا مخبر بیان کرتا ہے کہ بدقسمتی سے مفسدین ان کے اوضاع و اطوار سے ان کو پہچان گئے اور گرفتار کر لیا گفتگو کے بعد سارا راز کھل گیا کہ وہ ہندوستانی لباس میں انگریز ہیں۔ آخرکار حاجن صاحب نے قبول کیا کہ وہ کون ہیں اور کس واسطے کس کے پاس آئے تھے۔ اسی سلسلہ میں صاحب موصوف نے میرا نام بھی بتلا دیا۔

الغرض صاحب موصوف کو تو وہیں قتل کر ڈالا اور اب میرے درپے تلاش ہوئے۔

میرے چند دوستوں نے مفصر سلطان شہزادے سے سفارش کر کے اجازت حاصل کرائی کہ میں تعلقہ دار ولی داد خاں کے ہمراہ چلا جاؤں۔ ولی داد خاں بالاگڑھ کا تعلقہ دار تھا۔ بالاگڑھ بلند شہر سے دو میل پر واقع ہے۔ خان مذکور گورنمنٹ کا پنشن خوار اور نمک حلال رعایا میں سے تھا اور ۱۰ جون تک وفادار رہا۔

ولی داد خاں کے ہاں کی سواریاں بھی دہلی سے جا رہی تھیں۔ میں بھی انہی کے ساتھ ایک علیحدہ پالکی میں بیٹھ کر شہر سے نکلا۔ خان مذکور نے دہلی میں مجھ سے اقرار کیا تھا کہ وہ مجھ کو آگرہ تک پہنچا دینگے ہمیشہ سرکار کے خیر خواہ رہیں گے۔ مگر چند مقامات کی بدانتظامی کا حال سنکر بے وقوف منحرف ہو گیا۔ اور مجھ کو قید کر لیا۔

اگرچہ میں نہایت پریشان اور مغموم تھا۔ مگر ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اس دغا باز کی قید سے رہائی ملے۔ راؤ گلاب سنگھ سرکار کا خیر خواہ اور ایک متمول تعلقہ دار کوچی تھا وہ

ولی داد خاں کا بھی دوست تھا۔ میں نے اس کو لکھ بھیجا کہ آپ ولی داد خاں کے پاس سے مجھے اپنے پاس بلالیں۔ راؤ صاحب موصوف نے از راہ مہربانی اپنے دیوان کو خان مذکور کے پاس بھیجا کہ براہ عنایت وہ مجھ کو اس کے حوالہ کردیں۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔

اس کے بعد میں نے ایک اور دوست کو آگرہ میں لکھا کہ تم بیس سپاہی ملازم رکھکر مالاگرھ آؤ اور مجھ کو خفیہ قید سے چھڑا لیجاؤ۔ مگر ان کے پاس روپیہ نہ تھا اور نہ سپاہی میسر آئے۔ اس وجہ سے وہ بھی کچھ امداد نہ دے سکے۔

اب کوئی امید باقی نہ رہی تھی صرف خدا پر نظر تھی جس نے اس وقت تک جان بچائی ہے وہی آئندہ بھی حفاظت کریگا۔

۲۹ جولائی کو تھوڑی سی گورہ فوج کے سپاہی آئے اور مفسد مذکور کی فوج کو ہاپوڑ میں شکست دی اس شکست سے قلعہ میں اس قدر خوف و ہراس پیدا ہوا کہ سب کے حواس باختہ ہو گئے۔ میں ۳۰ تاریخ کو علی الصباح قید خانہ سے نکلکر بلند شہر بھاگ گیا۔

چند روز کے بعد لپیٹ صاحب نے (جن سے مجھ سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی) میرے بھاگنے کا حال سنکر صاحب موصوف اور ونلاپ صاحب مجسٹریٹ میرٹھ نے تلطف آمیز ایک چٹھی لکھکر اور کچھ سوار ولسن صاحب کے رسالہ کے میرے لینے کو بھیجے۔

میرٹھ میں ولیم صاحب نے مجھ پر بڑی مہربانی کی اور بیحد خاطرداری سے پیش آئے صاحب موصوف نہایت خلیق اور رحمدل افسر ہیں۔

صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق میں نے قلعہ مالاگڈھ کا نقشہ اور مفسدین کے حالات لکھکر ان کے حوالہ کئے۔

دسواں فسانہ

ایک میم جو سکندر صاحب کے خاندان سے ہندوستانی لباس پہنکر میرٹھ چلی گئی تھیں۔ وہ

دہلی کے فساد کا حال اس طرح بیان کرتی ہیں:-

دریا گنج میں جس قدر عیسائی رہتے تھے وہ سب فساد کے روز ایک کوٹھے پر جمع ہوئے اور تین چار دن تک وہاں قائم رہے۔ جب سپاہیوں نے دیکھا کہ بندوق کے زور سے وہ اس مقام سے نہیں اُتریں گے تو ایک توپچی توپ لائے۔ اس کے ایک گولے سے سب کنڈکٹر سٹل صاحب جاں بحق تسلیم ہوئے۔ جب تک یہ لوگ کوٹھے پر رہے کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں پہنچی۔ غریب معصوم ننھے ننھے بچے بھوک پیاس سے بلک رہے تھے۔ ان کمبخت سنگدلوں نے لڑکوں سے کہا کہ اگر تم نیچے اُتر آؤ تو ہم تمہیں کھانا پانی سب کچھ دیدیں گے۔ مگر جب وہ معصوم نیچے اُترے تو فوراً قتل کا اشارہ کیا اور سب معصوموں کو ذبح کر ڈالا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد قتل عام شروع ہوگیا۔ اس ہنگامہ میں جو لوگ قتل ہوئے ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:-

میگزین کے تین کنڈکٹر مع عیال واطفال۔ مسٹر ریلیس صاحب مع عیال واطفال اور دو نواسوں کے۔ مسٹر زریلی مع دو بچوں کے، آبنوس صاحب کی میم وغیرہ۔

روڈ صاحب مصور اپنے بھاگنے اور چھ ہفتہ کے سفر کا حال جس عرصہ میں وہ دہلی سے آگرہ تک پہنچے تھے اس طرح بیان کرتے ہیں:-

گیارھواں فسانہ

میں جی اول صاحب ریلوے انجنیر اور ایچ سپنسر صاحب اور کمنگ صاحب یہ بھی ریلوے انجنیر تھے ان کے بنگلے پر رہتا تھا۔ یہ بے حد خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ انکا بنگلہ دہلی سے دو میل پر جنوب کی طرف واقع ہے۔

صبح نو بجے کے قریب ہم نے فساد کی خبر سُنی۔ دس بجے ۲ گھوڑے سوار بغیر گھوڑوں کے ہمارے دروازہ پر آئے۔ بارہ بجے ٹھیک گھر لوٹا۔ اور پانچ انگریز وہاں مارے گئے۔ چھاؤنی اور شہر کے تمام بنگلے اس روز دن بھر جلتے رہے جس دن ہم نے شہر چھوڑا دو بجے کے قریب

نہایت خوفناک اور وحشت انگیز خبریں مشہور ہوئیں ہم نے احتیاط کو عین شجاعت سمجھکر تھوڑا سا ضروری اسباب اکٹھا کیا اور بابو کو حکم دیا کہ نوکروں کو سامان کے ساتھ روانہ کر دے۔ اس کے بعد ہم بھی روانہ ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ پکی سڑک کے کنارے کنارے چلے۔ ہمایوں کے مقبرے میں ڈیڑھ سو سوار مفرورین کی گرفتاری کے لیے مقیم تھے۔ ان سے بچکر آگے بڑھے۔ چونکہ ہزاروں مزدور وہاں کام کر رہے تھے۔ اس لیے مفسدوں نے ہم کو نہیں دیکھا۔ جب ہم بٹلر صاحب کے بنگلہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ صاحب موصوف ابھی تھوڑی دیر ہوئی چلے گئے۔ کچھ دیر ہم اس بنگلہ میں ٹھہرے۔ وہیں ہم نے میگزین کا اڑنا دیکھا۔ اس کے بعد بنگلہ سے روانہ ہوئے۔ اور چار میل پر بٹلر صاحب کو جا لیا۔ وہاں ایک بنگلہ تھا اس میں اتر کے کھانا کھایا اور پھر روانہ ہو کر فریدآباد جو یہاں سے چھ میل پر تھا پہنچ گئے۔

یہاں ہم نے مقام کیا۔ چائے پی۔ اور بہت ہوشیاری سے رہے۔ آدھی رات کے قریب بلم گڈھ کا راجہ ہمارے پاس آیا اور کہا کہ پچاس سوار تمہاری تلاش میں آتے ہیں بہتر یہ ہے کہ تم اپنے خدمتگاروں کا لباس پہن لو اور جلدی میرے قلعہ میں آ جاؤ۔ میں تمہاری حفاظت کرونگا یہ کہکر وہ اپنے قلعہ میں گیا تاکہ وہاں کوئی فساد برپا نہ ہو۔ راجہ نے بلم گڈھ پہنچکر ایک سوار بھیجا کہ ہم کو لے جائے۔ چنانچہ ہم قلعہ میں پہنچے۔ راجہ صاحب نے ہمیں ایک مکان میں مخفی رکھا۔ ہم وہاں پہنچے ہی تھے کہ وہ پچاس سوار بھی آ پہنچے۔ مگر ان سے راجہ صاحب کے آدمیوں نے کہدیا کہ صاحب لوگ آگے بڑھ گئے۔ وہ تو یہ سنکر آگے روانہ ہو گئے اور ہم ایک نیند لیکر دوسرے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے جو بلم گڈھ سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ہماری حفاظت کے واسطے راجہ کا ایک رسالہ ہمارے ہمراہ تھا۔ اس گاؤں میں پانچ دن تک ایک چھوٹے سے مکان کے کوٹھے پر رہے پانچ دن کے بعد وہاں سے بھی راجہ صاحب کے مرسلہ اونٹ پر راجہ صاحب کے معتمد کے ساتھ ہم روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہر گاؤں سے بچتے چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام اروان تھا۔ شتربان ہم کو سیدھا وہیں لے گیا۔ مگر اتفاق سے راستہ چھکڑے سے

رُکا ہوا تھا اس لیے ہم اس راستے سے واپس آئے چار اونٹ تو واپس آئے مگر ایک جیمپر بین صاحب
تھے پیچھے رہ گیا ہم ان کے انتظار میں گاؤں کے باہر ٹھہرے رہے۔ اور گاؤں والے ہمارے
گرد و پیش مسلح کھڑے تھے اتنے میں بندوق کی دو آوازیں آئیں۔ آواز سنتے ہی ہم سب
وہاں سے بھاگے۔ پہلا اونٹ جس پر لول صاحب سوار تھے وہ تو اچھی طرح باہر نکل گیا۔ دوسرا
جیمپر سلیمر صاحب تھے گر پڑا اور اُٹھ کر بھاگ گیا۔ ہمارا اونٹ بھی زمین پر گرا اور پھر نہ اُٹھ سکا۔ جو
اس کے قریب جاتا تھا اس کو کاٹنے دوڑتا تھا۔ ناچار اس کو وہیں چھوڑا۔ سلیمر صاحب اور کمنگ
صاحب تو راستہ چھوڑ کر بھاگے۔ اور بٹلر صاحب راستے پر بھاگے رہے۔ مفسدین نے ہم کو دوڑ
مارنا شروع کیا۔ چونکہ صبح ہونے والی تھی ہم مفسدین کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے اُنہوں نے ہم کو
گھیر لیا تو بٹلر صاحب نے مصالحت کر لی۔ مفسدین نے کہا کہ اگر تم اپنی بندوقیں دیدو تو ہم تم کو
تکلیف نہ دینگے۔ اس اقرار پر اپنی بندوقیں ہم نے اُن کے حوالہ کر دیں۔ مگر یہ معاملہ ہو ہی رہا
تھا کہ ان میں سے ایک نے میرے شانہ پر زور سے لکڑی ماری میں نے بھی لوٹ کر اپنی رائفل کا
کندہ اس کے جڑ دیا۔ جب ہم اپنی بندوقیں دیکر گاؤں واپس آتے تھے اس وقت بٹلر صاحب نے
اپنا پستول اُس آدمی سے چھین کر جس کو اُنہوں نے دیا تھا واپس راستہ کی راہ لی۔ اس عرصہ میں
ایک شخص نے میرے سر پر تلوار ماری۔ میں نے کہا بس جو کچھ میرے پاس ہے لے لو چنانچہ ڈیڑھ سو
روپیہ میرے تھے وہ میں نے ان کو دیدیئے۔ اس کی تقسیم پر باہم ان میں تکرار ہونے لگی میں نے
جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو بٹلر صاحب نو چکر ہو گئے تھے اور کوئی ان کے تعاقب میں نہ تھا۔ اس عرصہ میں
پھر ایک شخص دوڑ کر آیا اور بڑے زور سے تلوار میرے سر پر ماری جسکے صدمہ سے میں زمین پر گر پڑا۔
مگر تلوار کند تھی اس لیے زخم نہ آیا۔ میں نے زمین پر گر کر دم سادھ لیا۔ اور اوندھے منہ سینہ کے بل
پڑا رہا جس سے وہ سمجھے کہ مر گیا۔ ان لوگوں نے میرے کپڑے جوتے اور سگرٹ بکس سب کچھ اُتار لیا۔ اور
آپس میں تکرار کرنے لگے۔ سگرٹ بکس میں تین روپیہ تھے۔ ایک نے کہا کہ یہ میں لوں گا۔ دوسرے
نے کہا کہ میں لوں گا۔ اسباب تقسیم کرنے کے بعد وہ میرے ارد گرد کھڑے ہوئے اور تھوڑی

دیر تک بطور نوحہ اور مرثیہ کے گاتے رہے کبھی کبھی مجھے لات بھی مار دیتے تھے۔ ایک نے اس خیال سے کہ دیکھیں مر گیا یا ابھی زندہ ہے میری گردن پر پاؤں رکھا اور اُٹھا کر زمین پر پٹک مارا مگر میں نے بھی ایسا دم سادھا کہ اُس کو نہ معلوم ہو سکا کہ میں زندہ ہوں پتھر کی طرح میں نے اپنا جسم سخت کر لیا۔ ایک شخص نے پھر میری گردن کے نیچے پیر ڈالکر مجھکو سیدھا کیا اور میرے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اُس وقت میں نے سانس لینا بالکل بند کر دیا اور جب اُس کا ہاتھ میرے دل پر آیا میں نے دم نہیں لیا۔ اس کے بعد کچھ شور و غل ہوا مگر میں اُس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو میں نے ایک آنکھ چپکے سے کھولی تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ اُس وقت میں اُٹھا۔ مگر خون چونکہ بہت نکل گیا تھا میں کمزور ہو گیا تھا اور بمشکل چل سکتا تھا مگر ناچار اُفتاں و خیزاں بھاگا ہی تھا کہ ایک مسلح آدمیوں کا گروہ نظر پڑا۔ وہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھکر اشارہ سے اُنہوں نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور میری التجا اور خواہش سے ایک کنوئیں پر مجھکو لے گیا۔ وہاں میں نے پانی پیا۔ اسی آدمی نے مجھکو ایک سیدھا اور صاف راستہ بتلایا جس میں جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹے وغیرہ نہ تھے اس لیئے کہ میرے پاؤں میں جوتے نہ تھے۔ اور کانٹے دار راستہ میں میرا چلنا بہت دشوار تھا۔ راستہ بتا کر خود بھی میرے ساتھ چلا اور کہا کہ اپنے خون آلود کپڑے ریدو میں ان کو دھولا دوں۔ اس حیلے سے اُس نے میری واسکوٹ جسمیں عقیق کے بٹن اور سونے کی زنجیر لگی ہوئی تھی اُتروالی اور چاہا کہ مجھے مارے۔ مگر میں نے اُسکے ذہن نشین کر دیا کہ اگرچہ میں زخمی ہوں مگر ولایت زا ہوں چنانچہ میں نے اُسکو زمین پر دے مارا اور آگے بڑھا مگر دھوپ کی تیزی کی وجہ سے مجھ میں تاب نہ تھی۔ میں نے قمیص ہندوستانی کپڑوں کے نیچے سے نکالکر سر پر رکھی اور اس طرح دو ایک میل چلا تھا کہ دو یا تین آدمی لٹھ لیئے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے دھمکانے لگے میں نے اُن سے صاف کہدیا کہ اگر تم مار ڈالو گے تو تم کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لیئے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن اگر تم مجھکو علیگڈھ پہنچا دو گے تو سو روپیے دونگا اور اگر آگرہ پہنچا دو گے تو تین سو روپیہ دونگا۔ یہ سنکر اُنہوں نے تھوڑا سا پانی پلایا اور چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ایک نہایت وحشتناک

آدمی کھیتوں میں سے دوڑتا اور شور و غل کرتا میری طرف آیا۔ میں اسے دیکھکر کھڑا ہو گیا۔ اسنے میرے سر سے قمیص اُتار لی اور مارنے کو تھا کہ میں نے ہاتھ اُٹھاکر کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی نہیں ہاں مگر میں بلم گڈھ تک کے سو روپئے اور آگرہ تک کے لیجانے کے تین سو روپئے دیسکتا ہوں مگر اس کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ راجہ بلم گڈھ ہمارا دوست ہے۔ اس اثنا میں اور گاؤں والے بھی آگئے اور اُنہوں نے کہا کہ دو انگریز دوسرے گاؤں میں جو یہاں سے قریب ہے، آئے ہوئے ہیں ان آدمیوں نے مجھے پانی بھی پلایا اور اس گاؤں میں پہنچا دیا۔ وہاں سپنسر صاحب اور کننگ صاحب موجود تھے اور خدا کے فضل سے ان کو راستہ میں کوئی مفسد بھی نہیں ملا تھا۔ ان دونوں صاحبوں سے ملکر میں بہت خوش ہوا۔ اسپنسر صاحب نے ازراہ مہربانی میرے زخم دھوئے دونوں صاحبوں نے گاؤں کے نمبردار سے اقرار کیا کہ اگر تم ہمیں آگرے پہنچا دوگے تو فی کس پانسو روپیہ دینگے۔ بہت قیل و قال کے بعد نمبردار نے انکار کر دیا۔ مگر ان کی بندوقیں اور تین روپئے چھین لئے اُسی وقت ہمارے پاس مچل صاحب کی ایک چٹھی پہنچی اُنہوں نے ہم کو بلایا تھا اور لکھا تھا کہ فی الحال قصبہ کیا ہے چلے آؤ کہ یہ گاؤں سرکار کا خیر خواہ ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ جگہ یہاں سے دو کوس ہے پیادہ روانہ ہو کر ہم صاحب موصوف کے پاس پہنچے وہاں سے شام تک مقیم رہے۔ ہمارے رہبر نے ہمکو صلاح دی کہ یہاں سے دوسرے گاؤں جو دو میل یہاں سے ہے چلنا چاہیئے کیونکہ وہ گاؤں بڑا ہے اور اُسکے رہنے والے اچھی طرح ہماری حفاظت بھی کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہم اسکے کہنے کے مطابق دوسرے گاؤں میں چلے گئے اور وہاں نو روز تک مقیم رہے۔ گو اس درمیان میں میواتیوں نے اس گاؤں والوں کو بہت کچھ ڈرایا دھمکایا کہ ہم تمہارے گاؤں پر حملہ کرینگے مگر وہ کچھ خاطر میں نہ لائے اسوقت ہمکو یقین ہو گیا کہ اگر ہم اس چھوٹے گاؤں میں رہتے تو سب کے سب قتل کر دیئے جاتے اسکے بعد ہمیں اور زیادہ تشفی ہوئی کہ خود صاحب مجسٹریٹ گوڑگانوہ نے ہوڈل کے مقام سے بھرت پور کی فوج کا ایک پیش سوار ہماری حفاظت اور ہمراہی کیلئے بھیجا اور ہم صاحب موصوف کے پاس پہنچ گئے اور وہاں اُنکے پاس بہت آرام ملا۔ وہاں بہت دنوں قیام رہا دہلی کے فتح ہونے کی خبر کے منتظر رہا کرتے تھے اس عرصہ میں متھرا میں بھی فساد ہو گیا اور جو سپاہی ہمارے ساتھ تھے اُنھوں نے بھی

فسادیوں کا ساتھ دیا۔ اور ہم نے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اسکے بعد ہم ہارڈی صاحب کے ہمراہ امن و امان کے ساتھ ہوڈل سے ۲۲ ریلوں کو آگرہ چلے گئے۔

میکل صاحب نے ہوڈل سے روانہ ہونے سے قبل راجہ بلبھ گڈھ سے دو سو روپیہ نقد اور سواری کے واسطے گھوڑے لیئے تھے مگر سوار لوگ کے حساب سے ایک کم تھا مگر پھر بھی راجہ صاحب نے بہت بڑی عنایت کی تھی۔ (اس راجہ کو فتح دہلی کے بعد پھانسی دیدی گئی)

بارھواں فسانہ

۱۹ اگست کو میم صاحب کی تیم دہلی کے فوجی کیمپ میں ایک غازی ساکن سوات کے ہمراہ آئیں گو شہر سے دو غازی انکے ساتھ چلے تھے مگر ایک مفسدوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میم صاحب اور ان لڑکوں کی ہیئت و شکل میں بھاگی تھیں۔ میم صاحب موصوف شروع غدر دہلی یعنی ۱۱ مئی سے ۱۹ اگست تک ۳ مہینے قید میں رہی تھیں۔ ان کا ایک بچہ ان کی گود میں گولی سے مارا گیا تھا۔ اور وہی گولی خود میم صاحب کے بھی لگی تھی۔ زخمی ہونے کے بعد دونوں غازیوں نے ان کی حفاظت کی تھی۔

فوجی کیمپ میں داخل ہونے سے پہلے ایک باغ میں ٹھہرے تھے [illegible] میم صاحب اجمیری دروازہ سے باہر نکلکر گھاس میں چھپ رہیں۔ صبح کے وقت غازیوں میں سے ایک کو بھیجا کہ جا کر دیکھے انگریزی فوج سبزی منڈی میں ہے یا نہیں۔ وہ دیکھکر گیا اور سارا حال جا کر بیان کیا۔ میم صاحب یہ سب حال سنکر وہاں سے روانہ ہوئیں اور جس قدر تیز چل سکیں چلکر کیمپ میں آگئیں راستے میں دشمن کے سنتریوں نے ایک غازی کو گولی سے مار ڈالا۔ دوسرے غازی اور میم صاحب کا بھی تعاقب کیا مگر جب وہ ہماری گولی کے نشانہ پر پہنچے تو مفسدوں نے پھر آگے قدم نہیں رکھا اور غازی و میم صاحب نے بخیریت سبزی منڈی میں پہنچکر خدا کا شکر ادا کیا۔

میم صاحب عجیب ذلیل و خستہ حال تھیں۔ ہمارے افسر سپاہی ان کا حال دیکھکر بہت روئے ان کے کوٹ پر ایک زخم تھا اور ان کا انگوٹھا بالکل اُڑ گیا تھا۔ کیونکہ قید میں ان کے انگوٹھے کو باندھکر ایک جگہ کس دیا تھا جہاں سے سپاہیوں نے انکی تواضع کی۔ کوئی پانی لایا۔ کوئی شراب لایا

کوئی روٹی لایا کوئی گوشت مگر میم صاحب نے بوجہ ضعف اور کمزوری کے کچھ کھایا اور نہ پیا۔ تھوڑے عرصہ تک ان کے گرد جمع رہے اور سوالات مختلف کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو دق کردیا مگر میم صاحب نے سب کا مجمل طور پر جواب دیا۔ آخر کار کپتان ہیلی صاحب آ گئے اور ایک ڈولی منگوا کر اس میں سوار کیا اور بحفاظت تمام اُن کو کیمپ میں بھیجدیا۔ وہاں ان کو ایک علیحدہ خیمہ دیا گیا اور تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کردی گئیں۔ شہر سے بھاگنے کے وقت ان کے پاس ایک پرانا میلا کپڑا تھا جسکو انہوں نے اپنے جسم پر لپیٹ لیا تھا۔ ایک ٹکڑا اور تھا جو ان کے سر پر لپٹا ہوا تھا۔ نہ ہاتھوں میں دستانے تھے اور نہ پاؤں میں تابت جوتی صرف ایک پھٹی پرانی ہندوستانی جوتی تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس سے زیادہ خراب خستہ حالت میں نہیں ہو سکتی تھیں۔

تیرھواں فسانہ

جیمس مورلی صاحب جن کی ایک ہندوستانی نوکر کی مدد اور اعانت سے جان بچی تھی وہ اپنے بھاگنے کا تعجب انگیز واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

میں اور میرے دوست ولیم کلارک صاحب دونوں ایک دو منزلہ مکان میں کشمیری دروازہ رہتے تھے۔ ہم دونوں کی شادی بھی ہو گئی تھی اور تین بچے بھی تھے۔ کلارک صاحب کے بھی ایک لڑکا تھا اور ان کی بیوی حاملہ تھیں۔

ا۱ مئی کو صبح نو بجے کے قریب میں دفتر جانے کے لیے تیار تھا کہ بازار میں ایک شور ہوا اتنے میں میرا نوکر آیا اور اس نے کہا کہ چند رجمنٹیں اپنے انگریزی افسروں کو قتل کر کے میرٹھ سے یہاں شہر میں آ گئی ہیں۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اب کیا کرنا چاہیے چنانچہ بگھی بھی واپس کر دی ہم دو تین گھنٹے مکان پر او ٹھہرے رہے کہ اتنے میں ایک اور نوکر نے آ کر کہا کہ بدمعاش جمع ہو کر انگریزوں کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ سنکر میری بیوی اور بچوں نے رونا شروع کیا۔ کچھ نوکر دروازہ پر جا کر کھڑے ہوئے اور ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ چلو میرے مکان میں چلکر چھپ رہو۔ مگر میرا ارادہ تھا کہ میں

باہر جاکر دیکھوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں ایک سونٹا ہاتھ میں لیکر گلی میں گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں اور آگے بڑھا۔ وہاں بھی کوئی نہ تھا۔ آخر اس گلی کو طے کرکے دوسرے کوچہ میں گیا۔ اس میں بھی کوئی آدمی نہ تھا۔ صرف ایک بوڑھا آدمی دوکان پر بیٹھا تھا۔ میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا تو سیدھے ہاتھ کی طرف ایک گروہ آدمیوں کا نظر آیا۔ مجھ سے دور تھا اور سوائے غل و شور کے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں اس خیال سے کہ وہ میرے ہی مکان پر آویں گے وہیں تھوڑی دیر کھڑا رہا اور اُن کو دیکھتا رہا۔ اسکے بعد ایک شور کی آواز پیچھے سے سُنائی دی۔ مُڑ کر دیکھا تو ایک گروہ آدمیوں کا میرے دروازہ کے اندر جاتا تھا۔ اور مجھکو دیکھکر چند آدمیوں کو میری طرف بھیجا یہ دیکھکر فوراً بائیں طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا میں وہاں گھس گیا۔ جہاں سے ایک راستہ بہت پھیر سے میرے مکان کی طرف بھی جاتا تھا۔ اس دروازہ پر چند عورتیں اور ایک یا دو آدمی کھڑے تھے مگر اُنہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا وہاں سے بھی آگے بھاگا۔ زیادہ دور نہ گیا تھا کہ دو آدمی اور گلی سے بھاگتے ہوئے نکلے اور میری طرف یہ کہتے ہوئے آئے کہ مارو فرنگی کو۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی دوسرے کے پاس لاٹھی تھی جب وہ نزدیک آئے تو میں بھی ٹھہرا اور تلوار والے کے میں نے ایک ایسا سونٹا سر پر مارا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ دوسرے نے میرے سر پر لاٹھی ماری مگر میں نے سر جھکا لیا اور وہ لاٹھی میرے شانے سے چھوتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے جو اپنی لاٹھی پھرائی تو اُس کے زانو پر اس زور سے لگی کہ وہ بھی چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اس عرصہ میں لوگ وہاں جمع ہونے لگے اور میں وہاں سے بھی آگے روانہ ہو کر ایک تاجر کی دوکان پر پہنچا۔ وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک گاڑی کی چھت ٹوٹی ہوئی زمین پر پڑی تھی اس میں میرے لیئے کافی جگہ تھی۔ میں اس میں گھسکر بیٹھ گیا۔ اس عرصہ میں چار پانچ آدمیوں کو یہ کہتے سُنا کہ "ادھر ہی کو گیا ہے" میں مارے ڈر اور خوف کے ذرا بھی آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ اُنکے جانے کے تھوڑی دیر بعد پھر وہاں کوئی نہ تھا اور نہ اُدھر سے کوئی آدمی گزرا۔ اب مجھے اپنے اہل و عیال اور کلارک صاحب کے بیوی بچوں کا خیال آیا۔ میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ کیا وہ سب مارے گئے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ ہو مجھے گھر جانا چاہیئے۔ اس خیال نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔

ابھی انہی توہمات میں گھرا ہوا تھا کہ دوبارہ اسی راستہ میں شور و غل برپا ہوا اور ایک انبوہ کثیر شور کرتا اور انگریزوں کو گالیاں دیتا اُدھر سے گزرا۔ اس عرصہ میں دو تین عورتیں گھروں سے نکل کر اس چھت کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ اُنکی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ بچہ اُسکے نیچے (چھت کو) جھانکنے لگا تو کسی نے کوٹھے سے آواز دی کہ اندر آ کر دروازہ بند کر لو۔ میں وہاں بہت دیر تک چھپا رہا کیونکہ یہ بازار بہت چلتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس میں ہر جگہ آدمی ملیں گے مگر دوبارہ مجھے اپنے اہل و عیال کا خیال آیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کچھ بھی ہو مجھے گھر ضرور جانا چاہیئے۔ غرضکہ میں باہر آیا اور ابھی نکلا ہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کون ہو مگر میں نے کچھ جواب نہ دیا اور وہاں سے چل دیا۔ یہ گلی بیچ شہر میں واقع نہ تھی بلکہ شہر کی فصیل کے قریب تر تھی۔ بنئے بقال اس میں رہتے تھے۔ بلکہ بنگالی رہتے تھے جس قدر بدمعاش تھے وہ سب شہر لوٹنے گئے ہوئے تھے۔ مجھے اس راستے میں صرف دو آدمی ملے اور وہ مجھے جانتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ اپنے کو بچاؤ۔ قصہ مختصر یہ کہ میں اپنے مکان کے پچھواڑے تک پہنچ گیا۔ یہاں ایک باغ تھا اور ایک کھڑکی میں سے اندر گیا۔ اُسوقت چار بجے تھے کیونکہ میں تمام دن اُسی چھت کے نیچے چھپا رہا تھا۔ جسوقت گزر گیا تھا وہاں بھی میں نے بندوقوں کی آوازیں سُنی تھیں اور ساتھ ہی ایک بہت زور کا دھماکا اور زلزلہ سا بھی آیا۔ جو بعد میں معلوم ہوا کہ میگزین اُڑا دیا گیا تھا۔

عبرتناک نظارہ

غرضکہ میں اپنے باغ کے اندر آیا تو سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ مکان کے نزدیک پہنچا تو کرسیاں گلاس رکابیاں اور کتابیں ٹوٹی پھوٹی اور منتشر پھیلی ہوئی تھیں کپڑوں کے بقچے جل رہے تھے پہلے جدھر کو گئے تھے اُدھر گیا مگر وہاں کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ گائے خانہ کی طرف کچھ رونے کی سی آواز آئی۔ میں گیا تو دیکھا کہ ہمارا قدیم دھوبی جس نے بیس برس تک میرے والد کی خدمت کی تھی پڑا ہے۔ میں نے اُس کا نام لیکر آواز دی تو اُس نے آنکھ کھولی اور مجھ کو دیکھکر رو رو کر کہنے لگا کہ صاحب اُنہوں نے سب کو مار ڈالا یہ سنتے ہی مجھ پر غش کا سا عالم طاری ہوا اور میں بیٹھ گیا۔ دھوبی سے میں نے پانی مانگا اُسنے اپنے گھر سے لا کر دیا۔ پانی پینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔ پہلے تو وہ خوب سا رو یا۔ پھر کہا

کہ صاحب جب تم چلے گئے تو دونوں میم صاحب اور بچے ایک جگہ خوف کے مارے بیٹھ گئے کیونکہ گلی کوچوں میں بہت شور ہو رہا تھا اور بندوقوں کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ یہ حال دیکھکر کلارک صاحب نے اپنی شکاری بندوق نکالی اور اسکو بھرا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کہیں تو دروازہ بند کروں مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم کو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اسکے بعد ایک بڑا سا گروہ لاٹھیاں تلواریں اور برچھیاں لیئے ہوئے احاطہ کے اندر آ گیا۔ کلارک صاحب زینہ پر کھڑے ہوئے تھے اُنہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے اور کیا چاہتے ہو ان لوگوں نے سوائے گالیوں کے اور کچھ جواب نہ دیا اور کہا کہ ہم ہر ایک فرنگی کو مارینگے صاحب یہ سنکر اندر چلے گئے اور دروازہ نہ بند کیا۔ ان کے پیچھے وہ سب آدمی بھی اندر گھس آئے نوکر سب بھاگ گئے صرف میں رہ گیا جب وہ سب اندر داخل ہو گئے تو کلارک صاحب نے کہا یہ سب چیزیں موجود ہیں لیجاؤ مگر ہم کو نہ مارو لیکن اُنہوں نے صاحب کو گالی دیکر اور اُن کی میم کی طرف دیکھکر کہا۔ کیا یہ تمہاری میم ہے۔ یہ کہکر خوب ہنسے اور اب اُنہوں نے سب اسباب کو توڑنا پھوڑنا اور لوٹنا شروع کیا۔ ہماری میم صاحب نے تینوں بچوں کو لیکر غسل خانہ میں جاکر دروازہ بند کر لیا تھا۔ کلارک صاحب میرے پیچھے بندوق لیکر کھڑے ہو گئے۔ ان لوگوں نے بندوق دیکھی تو کہا کہ یہ ہم کو ڈراتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص میم صاحب کے پاس گیا اور ان کے گالوں کو چھو کر فحش بکنے لگا۔ کلارک صاحب یہ دیکھکر چلائے اور کہا کہ او سور او۔ اُس کو گولی سے مار دیا اور دوسرے کو دوسری گولی سے زخمی کر کے بندوق کی نال سے مارنے لگے۔ یہ دیکھکر میں نے سمجھا کہ اب یہ لوگ سب کو مار ڈالیں گے۔ میں بھاگ کر غسلخانہ کی طرف گیا کہ میم صاحب کو نکال لیجاؤں مگر وہاں بھی بہت سے آدمی موجود تھے اُنہوں نے مجھے مارا اور کہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے۔ میں مجبوراً باغ میں جاکر ایک درخت کی آڑ میں جا بیٹھا وہاں سے میں نے اول بڑا شور و غل سُنا اسکے بعد دیکھا کہ وہ لوگ مال و اسباب نکال نکال کر چاروں طرف پھینک رہے ہیں۔ دروازوں کے شیشے بھی توڑ ڈالے اور پھر چلے گئے۔

یہ سنکر تھوڑی دیر تو مجھ پر سناٹے کا عالم طاری رہا۔ پھر میں نے اُٹھکر دھوبی سے کہا کہ چلو اندر چلیں۔ مکان میں جاکر باہر کے کمرے میں دیکھا کہ اکثر چیزیں ٹوٹی پڑی ہیں۔ چیزیں کتابیں الماریوں سے

توڑ دی گئی تھیں۔ اور سب چیزیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ مربے، اچار کے ڈھیر لگے ہوئے تھے بسکٹ تمام پھیلے پڑے تھے اور برانڈی وغیرہ شراب کی بوتلیں ٹوٹی ہوئی پڑی تھیں اور انکی بدبو تمام پھیل گئی تھی۔

یہ تمام حالات میرے دل پر نقش ہیں اور ایسے موقعوں پر ہر شخص کو جو بدترین اندیشہ لگا رہتا ہے وہی خوفناک اندیشہ اور خطرہ مجھ کو بھی تھا۔ اسی اندیشے میں دیر تک اس کمرہ میں رہا۔ اور ادھر اُدھر دیکھتا رہا آخر کار دل کو مضبوط کر کے دوسرے کمرہ میں گیا۔ وہاں جو کچھ نظر آیا حقیقت میں اسکے دیکھنے کے لیئے بہت مضبوط دل ہونا چاہیئے۔ وہاں داخل ہوتے ہی میرا دل خوف و حقارت سے بھر گیا۔ سامنے جو نظر پڑی تو کلارک صاحب کا بیٹا دیوار پر ایک میخ سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر نیچے تھا اور خون کے فوارے جاری تھے۔ افسوس دردناک اور وحشیانہ قتل اُنہوں نے ماں کے سامنے کیا ہوگا۔ یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھکر میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا جب ڈرتے ڈرتے دوبارہ میں نے آنکھیں کھولیں تو اس سے زیادہ نادیدنی اور تنفر نظارہ دیکھنا پڑا یعنی کلارک صاحب اور انکی میم دونوں پہلو بہ پہلو پڑے تھے اور میں بیان کرونگا کہ کس قدر یہ منظر وحشتناک اور پر الم تھا کیونکہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ کلارک صاحب کی میم حاملہ تھیں اور قریب تھا کہ ان کے اولاد پیدا ہو۔

رونے چیخنے کی آواز سنکر تیسرے کمرہ میں گیا اور وہاں دیکھا کہ دھوبی غریب ہاتھ ملکر رو رہا ہے وہ غسلخانہ کے دروازہ پر کھڑا تھا میں ڈر کر غسلخانہ تک گیا۔ مگر اندر نہ جا سکا کیونکہ وہاں وہ حال تھا کہ دشمن کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہو میں تو اسکا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا کہ کلارک صاحب کی طرح میں اپنی بیوی کو دیکھوں میں بدحواس ہو کر دونوں ہاتھ زانو پر رکھکر بیٹھ گیا۔ مجھے اسوقت رونا بھی نہیں آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل پر ایک پہاڑ قائم ہے جو آنکھوں تک آنسوؤں کو نہیں آنے دیتا مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا آخر دھوبی نے آکر کہا کہ ادھر آدمی آتے جاتے ہیں اب یہاں رہنا مناسب نہیں چنانچہ وہی مجھکو اپنے گھر لے گیا۔ اب شام ہوگئی تھی اور اندھیرا پھیل گیا تھا خیال ہوا کہ شاید نوکر واپس آئیں مگر مجھے اب کسی پر اعتبار نہ رہا تھا۔

دھوبی نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو میں تم کو اپنے بھائی کے یہاں لیجاؤنگا جو شہر کی دوسری طرف رہتا ہے اور کوئی ایسی تجویز نکالونگا کہ تم بھی کسی طرح شہر سے باہر نکل جاؤ ہم اور آپ کرنال چلیں گے۔ یہاں سے

گھر کے اندر جاکر لیٹ رہا اور وہ دروازہ پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ بدمعاشوں کا ایک گروہ اندر آیا اور خوب قہقہہ لگا کر ہنسے چیخے چلائے اور ایک کھڑکی کے راستہ سے باہر چلے گئے۔ میں نے خود سنا کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ:- کیا خوب تماشا ہے۔

اب میرے نوکر بھی واپس آ گئے تھے۔ اور اس واقعہ کا ذکر آپس میں کرنے لگے اور مجھے اسکی بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے مجھ کو مقتولین میں خیال کر لیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میم صاحب اور بچوں کا قتل بہت قبیح اور بڑی بات ہوئی۔ اب روزگار کہاں ملے گا۔ مگر دوسرے نے فوراً جواب دیا کہ وہ لوگ کافر تھے اب شاہ دہلی ہماری پرورش کرینگے۔

میں آدھی رات کے بعد بہت آہستگی سے باغ میں گیا اور دھوبن کی کرتی پہنکر اوڑھنی اوڑھکر باہر نکلا اور مقام مقررہ پر پہنچکر دھوبی سے ملا۔ مجھے ساتھ لیکر اپنے بھائی کے مکان پر گیا۔ راستہ میں ہر جگہ کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ میگزین کی طرف سے ایک تیز شعلہ بلند ہو رہا تھا اور فصیل کے باہر بندوقیں چل رہی تھیں جب ہم اس کے بھائی کے مکان کے قریب پہنچے تو دھوبی نے کہا کہ تم چپ چاپ ایک گوشہ میں کھڑے رہو میں اندر جاکر دیکھوں کہ کون کون ہیں۔ چنانچہ یہ امر میرے لیئے خوش قسمتی کا باعث ہوا کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ دھوبی کا بھائی ہمارے قتل سے خوش ہوا کہ اب سب کپڑے اس کے پاس رہ گئے۔ اگر میں اندر چلا جاتا تو وہ ہرگز ہمارے بچانے کی کوشش نہ کرتا بلکہ وہ تو ہمارے قتل پر آمادہ تھا۔ میں اس گوشے میں بہت دیر تک کھڑا رہا اکثر آدمی ادھر سے گزرتے تھے۔ اگر ان کو ذرا بھی خبر ہو جاتی کہ ایک فرنگی ان کے قریب موجود ہے تو خدا جانے کیا کیا ذلتیں اٹھانی پڑتیں۔ میں تمام عمر شہر میں رہا ہوں مجھ کو اکثر لوگ جانتے تھے۔ اسلیئے خوف تھا کہ کوئی پہچان نہ لے اور میری اوڑھنی کی بے ترتیبی سے کوئی شناخت نہ کرلے اسی تشویش و پیچ میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ اب صبح ہونے لگی اور اس خیال سے کہ اب پردہ کھل جائیگا اور زیادہ اندیشہ ہوا۔ آخر دھوبی نکلا اسکے آگے آگے ایک بیل کپڑوں سے لدا ہوا جا رہا تھا۔ مگر وہ میری طرف نہ آیا بلکہ سامنے ایک دوسری گلی میں چلا گیا۔ یہ دیکھکر مجھے افسوس ہوا کہ دیکھو یہ بھی مجھے چھوڑ چلا خیر جو قسمت میں ہے وہ ہوگا لیکن اسکی خدمت اور ایمانداری کا خیال آیا تو دل نے کہا کہ یہ اس وجہ سے میری

طرف نہیں آیا کہ کسی کو میری طرف سے شبہ نہ ہو۔ یہانتک کہ دھوبی دور نکل گیا۔ اس وقت میں اٹھا اور اسکے پیچھے ہولیا۔ وہ آگے آگے جاتا تھا اور میں کچھ پیچھے پیچھے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس گلی سے باہر نکل آئے جسمیں اس کا بھائی رہتا تھا۔ اسکے بعد وہ ٹھہر گیا اور اشارہ سے مجھکو بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ میرا بھائی بے ایمان ہے وہ کبھی تم کو نہ بچاتا اور میں اس بہانہ سے نکل آیا ہوں کہ ایسے وقت شہر میں رہنا مناسب نہیں جبکہ چاروں طرف شہر میں فساد برپا ہے۔ میں تو یہاں نہیں رہوں گا اور گاؤں جاتا ہوں چنانچہ ہم دونوں شہر کی فصیل سے باہر نکل گئے اور کسی نے ہمکو نہ روکا۔ ہم سڑک کے راستے سے تین میل کے قریب گئے ہوں گے کہ دھوبی نے مشورہ دیا کہ اب کرنال جانا مناسب ہے کرنال کا راستہ وہاں سے دور تھا اور ہمیں تمام شہر کا چکر کاٹکر وہاں پہنچنا تھا غرضکہ ہم اسطرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بہت آدمی ملے مگر کوئی نہیں بولا ہم آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور قریب شام کے کرنال کے رستہ پر پہنچے یہاں سنا کہ یہی کچھ اور تھا جو لوگ کرنال جاتے تھے ان کی تلاشی لیجاتی تھی۔ چنانچہ مفسدین نے ہمکو گھیر لیا اور کہنے لگے یہ بوڑھا آدمی بڑا ہوشیار ہے مال غنیمت لئے جاتا ہے۔ دھوبی نے بلا تامل ان سے کہا کہ میرا بوجھ دیکھ لو جب انہوں نے دیکھ لیا اور کچھ نہ پایا تو ہم لوگوں کو چھوڑ دیا۔ اب میں نے دھوبی سے کہا کہ آئندہ اگر کوئی گروہ مفسدین کا ملے تو پہلے ہی سے کہنا چاہیئے کہ جاؤ فرنگیوں کو لوٹو اور اس واقعہ (فساد و قتل و غارت) کا ذکر ہنسی مذاق سے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آئندہ سے اسنے ایسا ہی کیا جسکی وجہ سے پھر کسی نے ہم پر شبہ نہیں کیا۔

دوسرے روز ہم بہت سویرے اندھیرے ہی سے بیل پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے تیسرے روز ہم ہندوؤں کے ایک مندر کے قریب ٹھہرے اور ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ وہاں ایک بڑا تالاب تھا اور ایک گوشائیں وہاں آکر ٹھہر گیا۔ اسکے بعد دھوبی کھانا لینے گیا۔ چونکہ ہوا سرد چل رہی تھی میں سو گیا۔ جب دھوبی کھانا لیکر واپس آیا اور مجھے جگایا تو اس سے گوشائیں نے کہا کہ میں جانتا ہوں یہ فرنگی ہے۔ ہم نے اس کی بہت عاجزی اور خوشامد کی اور کہا کہ ہم پر رحم کرو۔ گوشائیں نے کہا جاؤ میں کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

اب میں زنانہ لباس سے تنگ آ گیا تھا اور مجھ کو شرم معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس خیال سے کہ اب تو دہلی سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ یہاں کون تکلیف دیگا لباس تبدیل کریں یعنی دھوبیوں کا مردانہ لباس

بہن لیا۔ راستہ میں اکثر گاؤں والے ہمکو گالیاں اور طعنے دیتے تھے مگر کسی نے ہمکو جسمانی تکلیف نہ دی۔

راستہ میں میں نے دیکھا کہ ایک لاش قیمہ کی ہوئی پڑی ہے اور جب میں نے دیکھا کہ ایک گدھ بولتا ہوا اس لاش کی طرف اُڑتا ہوا جا رہا ہے تو مجھے بیحد رنج ہوا۔ میں اس لاش کے پاس گیا تو ایک اور جوان العمر انگریز کی لاش اسکے برابر پڑی ہوئی تھی جس کا سن سولہ برس کے قریب تھا اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو لاٹھیوں سے مارا ہے میں نے اسکو وہاں دفن کیا مگر قبر برائے نام تھی تھوڑی سی ریگ اِدھر اُدھر سے سرکا کر لاش رکھدی اور وہی ریت پھر اس پر ڈالکر دبا دیا۔ افسوس۔

راستہ میں میں نے سنا کہ چند انگریز آگے جا رہے ہیں چنانچہ میں نے کوشش کی کہ ان سے جا ملوں مگر ان تک نہ پہنچ سکا۔ اِس فساد سے پہلے ہی میری ٹانگ میں درد تھا۔ اب جو گرمی اور مٹی میں پیدل چلنا پڑا تو اور زیادہ ہو گیا تھا۔ اکثر مجھ سے چلا نہ جاتا تھا تو میں پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر رکھتا تھا مگر چلنا ضرور تھا اگر موقع نہ ہوتا تو میں کبھی ایسی تکلیف گوارا نہ کرتا۔ مگر جان کی حفاظت کا خیال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ خواہ کیسا ہی سخت اور تکلیف دہ امر ہو انسان اس کے واسطے سب جھیل لیتا ہے۔

دہلی کی روانگی کے چھ روز بعد میں کرنال پہنچا وہاں مجھے آرام ملا۔ چونکہ اب جان کا فکر و اندیشہ دور ہو گیا تھا مجھے کچھ ہوش آنے لگا مگر اس فکر سے نجات ملی تو بخار نے آدبایا اور نوبت سرسام تک پہنچ گئی۔ مگر اب مجھے کچھ افاقہ ہے۔

۱۴ مئی کو ایک فقیر میرٹھ میں آیا اس کے ساتھ ایک انگریز کا بچہ تھا جسکو اس نے جمنا سے ڈوبتے ہوئے نکالا تھا میرٹھ آنے تک اس بچہ کی وجہ سے غریب پر کئی جگہ مار پڑی اور تکلیفیں دی گئیں مگر اسنے بچہ کو نہیں دیا۔ میرٹھ میں آکر جب حکام کے حوالہ کیا تو اس خدمت و حفاظت کے معاوضہ میں اس کو ایک سو روپیہ کی گرانقدر رقم دینے لگے مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا مگر یہ درخواست کی کہ ایک اس کا نام یادگار رہے۔ غرضکہ اس فساد میں نہایت سخت وحشت کئے۔ ننھے ننھے بچے تلوار اور نیزوں کی نوک پر اُٹھا کر بازاروں میں ذلت و خواری سے قتل کیا گیا اور اسیوجہ سے خدا نے فسادیوں کو ذلیل

تمام شد

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کی تصنیفات

غدر دہلی کے افسانوں کا پانچواں حصہ
گرفتار شدہ خطوط

اس مجموعہ میں وہ خط و کتابت شائع کی گئی ہے جو غدر ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ بادشاہ اور غدر کرنیوالوں کے درمیان ہوئی اور جس کو قلعہ دہلی سے انگریزوں نے گرفتار کیا۔ ۱۵۲ صفحہ کی کتاب ہے کاغذ بھی اچھا ہے لکھائی اور چھپائی بھی۔ اس کتاب سے غدر کی تمام خفیہ کارروائیاں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اور غدر کے ہر ممبر کا طرز عمل علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے نہایت دلچسپ ہے اور نہایت مؤثر ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے (۱؍۴)

غدر دہلی کے افسانوں کا چھٹا حصہ
"غدر دہلی کے اخبار"

یعنی غدر ۱۸۵۷ء کے ان اخبارات کے اقتباسات جو زمانۂ غدر اور اس سے پہلے شائع ہوتے تھے اور جن پر انگریزی گورنمنٹ نے یہ الزام لگایا تھا کہ بغاوت کرانے میں ان مضامین کا دخل بھی تھا اب ان سب کا مجموعہ ایک جگہ شائع کیا گیا ہے ضخامت ۲۸۰ صفحے۔ لکھائی چھپائی نفیس، کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ کا۔ قیمت چار آنے (۴؍)

غدر دہلی کے افسانوں کا ساتواں حصہ
"غالب کا روزنامچہ غدر"

یہ اسی صفحے کی کتاب ہے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔ اس میں شاعری کے آفتاب نواب اسد اللہ خاں غالب کی تحریریں احوال غدر کے متعلق جمع کی گئی ہیں اور غالب کی مشہور تاریخ غدر "دستنبو" کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ ایک تو بیان غدر۔ اس پر غالب کا طرز ادا یہ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ منہ سے بول رہے ہیں۔ نہایت دلچسپ۔ بہت عبرت انگیز، اور حسرت خیز۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

ملنے کا پتہ ہے:۔ کارکن حلقہ مشائخ بک ڈپو۔ دہلی